لہو کا سفر

(شعری مجموعہ)

وفاؔ سکندر پوری

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۲

© وفاؔ سکندر پوری

LAHOO KA SAFAR

Collection of Ghazals

by: Wafa Sikandarpuri

Year of Edition 2021

ISBN

Pricr Rs. قیمت بتادیں۔

کتاب	:	لہو کا سفر (شعری مجموعہ)
شاعر	:	وفاؔ سکندر پوری
طبع اوّل	:	۲۰۲۱ء
قیمت	:	۰۰ روپے
صفحات	:	۰۰
زیر اہتمام	:	بزم حفیظ بنارسی، پٹنہ
مطبع	:	روشان پرنٹرس، دہلی۔۶

ملنے کے پتے

ایمیزون

بزم حفیظ بنارسی، پٹنہ (موبائل 8789761287)

وفاؔ سکندر پوری (موبائل 8013530181)

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

H.o. D1/16, Ansari Road, Darya Ganj, New Delhi-110002 (INDIA)
B.o. 3191, Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph : 45678204, 45678286, 23216162
E-mail: info@ephbooks.com, ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

انتساب

مشفق و مہربان والدہ

''حفیظ فاطمہ مرحومہ''

کے نام

وفاؔ سکندر پوری

مختصر تعارف

نام	:	شاہ غلام احمد
قلمی نام	:	وفاؔ سکندر پوری
ولدیت	:	شاہ محمد نبی جان (مرحوم)
تاریخ پیدائش	:	۳/ مارچ ۱۹۳۸
جاے پیدائش	:	سکندر پور، بلیا، یوپی
تعلیم	:	ایم۔اے۔اردو (کلکتہ یونیورسٹی) پرائیوٹ
تلمیذ	:	عبدالمنان صبر غازیپوری (مرحوم) کولکاتہ بعد از ۱۹۶۵ جناب حشم الرمضان، کانکی نارہ
پتا	:	کانکی نارہ ہاؤسنگ کمپلیکس، فلیٹ نمبر C/2 BL No. 3, H. No. 29, Po, Kankinara پوسٹ کانکی نارہ، ۲۴ پرگنہ مغربی بنگال ۷۴۳۱۲۶
موبائل	:	8013530181

فہرست

- گفتنی — مناظر عاشق ہرگانوی — 17
- جو بھی ہے سب اس کا ہے — رمیش کنول — 21

غزلیں:

- میری تنہائی میں جلوہ گر کون ہے — 41
- نظر سے کہہ دو نہ سونپے زباں کو اپنی بات — 42
- خود ہی لکھتا ہے مجھے خود ہی مٹا دیتا ہے — 43
- آیئے کر لیں گفتگو کوئی — 44
- میری جھولی اگرچہ خالی ہے — 46
- تھم گیا آخرش لہو کا سفر — 47
- آخرش ہم کس طرف جانے لگے — 48
- سیانے کیسی حرکت کر رہے ہیں — 49
- سبھی کو آزمانے جا رہا ہے — 50
- کتنی تاثیر ہے زبانوں میں — 52
- کیا رکھوں رشتہ ان قبیلوں سے — 54

- لوگوں کو معلوم ہے دھرتی سے ہی آس لگائیں گے 55
- میرا مدِّ مقابل ہکّا بکّا ہے 56
- شکستہ بے حساب ہوں 57
- سوچو تو اچھا لگتا ہے 58
- اسیرِ دام ہوتا جا رہا ہوں 59
- نقاب رُخ سے ہٹا رہے ہو 61
- خوں سے لکھی ہوئی نہیں ہوتی 62
- منہ سے نکلی ہوئی ہر صدا لے گئی 64
- خارزاروں سے گزرنا ہے مجھے 66
- گو مٹّی کا ایک دیا ہوں 68
- انتظار کا اپنے اشک نام رکھ دینا 70
- مجھ کو بھی ایک نعمتِ نایاب چاہئے 71
- کون میرے ساتھ ہے، دیکھوں ذرا 72
- میری شام و سحر ماہ پاروں سے ہے 73
- اس کے کوچے میں گزر دشوار ہے 74
- اس حقیقت کے علاوہ اور کیا ہم لوگ ہیں 76
- بہت لوگوں کی یہ دو گز زمیں ہے 78
- جدّتِ اظہار کا جب در کھلا 80
- ادا جتنے جملے ہوئے پیار میں 81
- مقتول کا ہے خوں جہاں خنجر کے آس پاس 82
- موت سے پہلے مر گیا ہوگا 83
- شیوہء ناز تو خاروں کی چبھن رکھتا ہے 84

- شعلوں کا رقص جانے کہاں اک سوال تھا 86
- سورج کی تمازت سے جو اشجار جلے ہیں 87
- ہم دھوپ ہیں جو صورتِ اشجار کھڑے ہیں 88
- راستے میں صفِ اشجار بھلی لگتی ہے 89
- مدھم سی روشنی کی بھی قندیل پھوڑ جاؤ 90
- کیسے کوئی کشتی لبِ دریا نظر آئے 91
- نازکیوں شیشہ گری پر پتھروں کے شہر میں 92
- تم نے جسے دریا کہا، ہم نے اُسے قطرہ کہا 93
- جانے کیا سوچ کے وہ مجھ سے ملا تھا اک دن 94
- کوئی دیوار نہ در باقی ہے 95
- پیش رو کی خبر نہیں آتی 96
- الفاظ و معانی کا بدل کہتے رہیں گے 97
- کیا چاہتے ہیں آپ سے رشتہ نہیں رہے 99
- وہی رنگ و بو کی ہے داستاں تری گل پرست نگاہ میں 100
- جو لوگ بُرے ہیں اُن کو بھلا کہنے میں تو دِقّت ہوتی ہے 101
- مجھ کو تیرے عیب میں ہنر کی ہے تلاش 103
- سبھی تو حلقہء دیوار و در میں رہتے ہیں 105
- جو پوری ہو نہ سکے وہ کمی نہیں مانگی 106
- اتنی دور نہ جائیں کہ تھک کر لوٹیں 107
- چھین کر مجھ سے زمین و آسماں لے جائے گا 108
- سوکھے پیڑ تلے سستا کر کیا کرتا 109
- راستہ بھی منتظر ہے، رہروی کا بھی ہے شوق 111

- آندھیاں تیز تر ہو گئیں 112
- ہر لمحہ سر پہ دھوپ غموں کی کڑی ہوئی 113
- تم آنسو اپنی پلکوں میں چھپا لو 114
- اربابِ دستور کے ہاتھوں یہ کیسی ترمیم ہوئی 116
- کر مکِ شب تاب غم تاریکیِ دل میں تو ہے 117
- شریک تھا ہی نہیں جو حسین منظر میں 118
- اے خدا! جُگ جُگ سے آیا ہوں خدا کہتے ہوئے 119
- بعد از پرواز کچھ مڑ کر نہ دیکھ 120
- درد آشنا ڈھونڈا نہ کر 122
- تجربہ کہتا ہے یہ حادثہ ٹلنے کا نہیں 123
- بنا ہوا ہے مسیحا وہی جو قاتل ہے 125
- دل خس و خاشاک تو پہلے سے ہے 127
- قائم کوئی رائے نہ کرنا ہم دونوں کے بارے میں 128
- دل کو ترے حوالے کیا، شاد ہو گیا 130
- بیابان تبدیل ہو تو عجب کیا 131
- کیا کیا سوال ہوگا، کیا کیا جواب ہوگا 132
- سرِ شام غنچے چٹکتے بہت ہیں 133
- کون کہتا ہے کہ گلشن کی سیادت دے دے 135
- بجا کہ پھول کی رنگت نہ بو ہی گھاس میں ہے 137
- مرنے کے لئے اک عمر جیا 138
- کبھی نہ ختم ہوا سلسلہ ہی ایسا تھا 139
- تری تلاش میں کون و مکاں سے نکلیں گے 141

- کبھی اُلٹا، کبھی سیدھا کریں گے 142
- اشاروں کی زباں سمجھا کرو تم 143
- راستے بھی عجیب ہوتے ہیں 144
- کہیں گھر سے نکلتے وقت تیّاری ضروری ہے 145
- مرے دل کا پتا محفوظ ہے 146
- سارے ہی ناتراش اگر ہیں جہان میں 147
- گزرگاہِ خرابی سے میں وعدہ کر چکا تھا 148
- خود پہ بھروسہ کم تھا ذاتی کوشش ہار گئی 149
- جب سے وہ اپنے آپ کو خاشاک بنائے رکھا ہے 150
- نگاہیں جب کبھی اِس دور کے منظر پہ رکھتا ہوں 151
- آب و سنگ و خاک میں ہے اور کیا کیا ڈھونڈ لے 152
- اگر قدرت کا عطیہ ہو تو دولت کام کی ہے 153
- جو میسّر ہو اسی پر اکتفا کرتا رہوں 154
- میں اپنی چال اچانک بدل بھی سکتا ہوں 155
- یہ نہیں ممکن کہ پیہم گل شماری میں رہوں 157
- گھر سے نکلو گے تو اندازِ سفر آجائے گا 158
- ہوگا وہ بھی موم صفت حرفوں کی لطافت سے 159
- کچھ کہہ رہا ہے تم سے زمانہ سنو میاں 160
- جگنوؤ! بن میں باس مت کرنا 161
- اوراق کھو گئے ہیں مری داستان کے 163
- گر پڑے ہو تو سنبھلتے کیوں نہیں 164
- یہی فرشِ خاکی بچھونا بھی ہے 165

- نرمی سے عاشقی کا نشّہ نہیں اُترتا 166
- انسان آگہی کا طلب گار کب نہ تھا 167
- وہ حجاب اُس شوخ میں شامل رہے اچھا تو ہے 168
- روز و شب کے مسئلوں سے تھوڑی فرست چاہیے 170
- جانے پہچانے انجانے بن جاتے ہیں 171
- اچھی نہیں لگتی ہے بے کار کی خاموشی 172
- کڑی دھوپ ہے پر اجالا تو ہے 174
- ایک لفظ اک کتاب بن گیا 175
- اب کوئی حاتم نہیں کوہِ ندا پر جائے کون 176
- میں رفتہ رفتہ کہاں سے کہاں کا ہو بیٹھا 177
- رِیت جنگل کی دھیان میں رکھنا 178
- عمر کا دریا رواں کب تک رہے گا 179
- جو فرمان ہے اہلِ فکر و نظر کا 180
- گھر کا نقشہ بنایا کھنڈر بن گیا 181
- ہوئی نہ میری ملاقات اُن فقیروں سے 182
- مجھے شعر گوئی کی عادت تو ہے 183
- مزاجِ رہ گزر سے آشنا ہوں 184
- زمین تشنہ تھی میں نے پلا دیے آنسو 186
- کام آئے گا نہ انعام، نہ تمغہ بھائی 187
- شوق کا در باز ہوگا 189
- پوچھتا ہے کب کسی کو آئینہ 190
- یہ زمین مہربان کب نہ رہی 191

- انجامِ تمنّا دیکھ لیا 193
- خیالوں میں اک رقبہ رکھتا ہوں 195
- دل اگر خوشیوں سے عاری ہے تو ہے 196
- انتظارِ بہار کیا کرنا 197
- منظر کیا پسِ منظر دیکھ 198
- نہیں شوقِ منزل سفر ہی سفر دے 200
- جو رات تیری عنایت سے میں نے پائی تھی 202
- سوال کر کے اُسے کامیاب ہونا تھا 203
- دلِ گستاخ پر قبضہ نہیں ہے 204
- اُس سے ملنے کی صورت نکل آئے گی 206
- اپنے آپ کو تنہا کر 207
- جو بھی ہے سب اُس کا ہے 209
- میں در و دیوار سے انجان ہوں 210
- اور بھی ہیں راہ رو رستہ نہ لے جائیں جناب 211
- ہر لحظہ شب و روز میں ڈھلتے ہوئے لمحے 213
- احتیاطاً وہ اپنے بس میں ہے 214
- پھوٹتے چھالے ہیں، میں ہوں اور پتھریلی زمیں 215
- یہ بھی سچ ہے کہ پوری شب جاگے 216

مناظر عاشق ہرگانوی
مدیر ''کوہسار''
بھیکن پورا ۳، بھاگلپور۔۸۱۲۰۰۱ بہار
موبائل نمبر 9430966185

گفتنی

وفاؔ سکندر پوری کے لہجے میں کلاسیکی شمع کی دھیمی دھیمی لَو کی شدت ہے جس کی وجہ سے ان کی سوچ نرم گرم آنچ میں سلگتی محسوس ہوتی ہے۔

انسانی فطرت ہفت رنگ کیفیات کی حامل ہے جو رزم و بزم، خلوت و جلوت، ناز و نیاز، ہجر و وصال ہر میدان میں علیٰحدہ عمل کی عکاسی ہے، وفاؔ سکندر پوری کا یہ وصف ہے کہ وہ ہر چیز کو اور ہر عمل کو ایک نئے پہلو سے دیکھتے ہیں اور دلفریب انداز میں بیان کرتے ہیں، ان کی غزلوں میں مقصدیت، امنگ اور رجائیت کے ساتھ تلاش حقیقت کا اضطراب اور ولولہ ہے۔ فکر و اسلوب کا امتزاج ہے۔ رنگ و آہنگ کی وسعت اور نقطۂ نگاہ کی جامعیت ہے:

روز پڑھتا ہے وہ بوسیدہ صحیفہ میرا
روز بکھرے ہوئے اوراق سجا دیتا ہے

چہروں کو پڑھنے سے فرصت ہی نہیں
ہاتھ میں لپٹا ہوا اخبار ہے

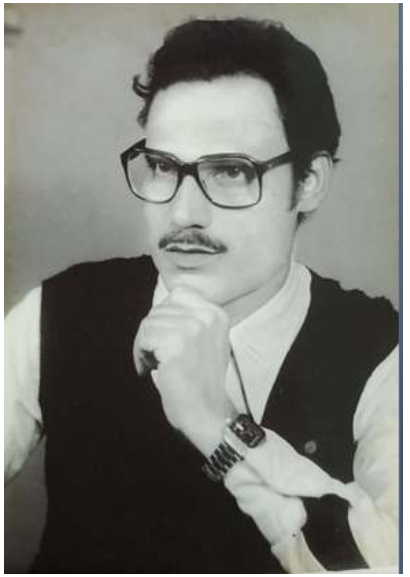

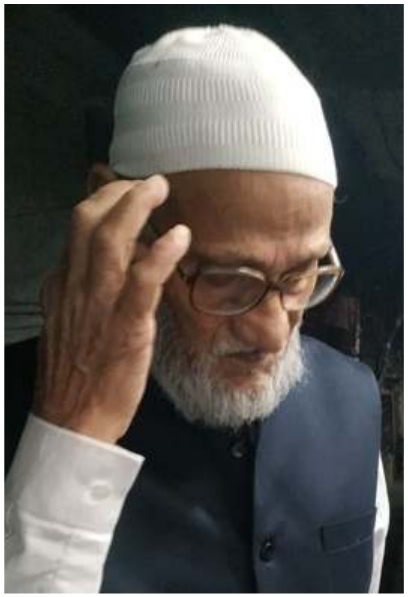

میں تو قطرہ ہوں اپنی پناہوں میں رکھ
بحر کی زندگی بھی کناروں سے ہے

وہ چتُر چالاک بیٹھا ہے جہاں
ڈال ہے یا پات ہے، دیکھوں ذرا

وفاؔ سکندر پوری کے پاس حرف ولفظ کا عرفان ہے اور غزل کہنے کا ان کا اپنا لہجہ ہے۔ وہ اپنے آپ کو یخ بستہ کرنے کے عادی نہیں ہیں بلکہ برف کی ناؤ پر بیٹھ کر ان پانیوں کی تلاش میں نظر آتے ہیں جو زندگی کی مدت وحرارت عطا کر سکے۔ وفاؔ صاحب جفا اور وفا اما تذکرہ شبنمی طریقے سے کرتے ہیں۔ نرم، سبک اور نزاکت ورعنائی سے بھرپور انداز دیکھئے:

چھیڑتا رہتا ہے ماضی حال کو
یاد کا شہپر کترنا ہے مجھے

شیریں باتوں نے مجھ کو متاثر کیا
میرے حجرے سے جوگن دعا لے گئی

کیا طلسم باہمی تعلقات ہے
رہ گذر کی دھوپ کو شجر کی ہے تلاش

اب رام کو ہر سیتا خاطر چودیس نظر رکھنی ہوگی
گاہے گہے لنکا سے بھی پرے راون کی حکومت ہوتی ہے

اپنی قیمت بحال رکھتے ہیں
نقلی سامان بھی دکانوں میں

وفاؔ سکندر پوری کی غزلوں میں نفسیاتی کیفیت بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس میں نئی

توانائی اور نئی بصیرت کا ارتعاش دیکھا جا سکتا ہے فضا بندی پر وہ خوب توجہ دیتے ہیں اور زندگی کی کلیت کے ساتھ جو رنگ ونشان بکھیرتے ہیں ان کی پرتیں معنی خیز ہیں۔ معاشرتی، سیاسی اور سماجی شعور کی ہم آہنگی وفاؔ صاحب کی غزلوں میں زیادہ ہے جس کے تناظر میں زندگی کا چلن دیکھ سکتے ہیں، علت اور معلول کے بدلتے ہوئے رنگ سے بھی آشنائی ہوتی ہے اور صدائے درد ان کے یہاں معاشرے کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے ہے:

پیاس کہاں ہے میرے ہونٹوں پر
اس جاتو میں دریا رکھتا ہوں
غصّہ، نفرت، پیار، خلوص وفاؔ
سب کچھ تھوڑا تھوڑا رکھتا ہوں

پل بھر میں عدو بھی رام ہوا
لفظوں کا کرشمہ دیکھ لیا
جو میری گلی پر ہنستا تھا
اُس کا بھی محلہ دیکھ لیا

کام آئے گا نہ انعام نہ تمغہ بھائی
کس سبب کرتے ہو ایمان کا سودا بھائی

کرائے کے ہیں تخت و تاج جن کے
وہی ہم پر حکومت کر رہے ہیں

غزل کے مزاج کا اہم ترین عنصر داخلیت ہے۔ وفاؔ سکندر پوری نے خارجی دنیا سے جو کچھ حاصل کیا ہے۔ ان تاثرات، کیفیات اور جذبات کی آئینہ داری اپنی غزلوں میں کی ہے۔

ان کے یہاں نقوش بہت واضح اور نکھرے ہوئے ہیں۔ان کے الفاظ اور بیان کرنے کا انداز خطوط کی طرح سیدھے ہیں۔ان کی قوت اور گیرائی میں متانت اور رموز کی آگاہی اس کے تعلق سے ایک نیا روپ ملتا ہے:

یہ نہیں ممکن کہ پیہم گل شماری میں رہوں
رنگ وخوشبو کے لئے پھولوں کی کیاری میں رہوں

پگھل چکا ہوں ترے لمس کی حرارت سے
کسی نفس ترے قالب میں ڈھل بھی سکتا ہوں

اس کی باتوں میں شامل ہیں خوشبو، رنگ، امنگ، ہنسی
جانے کس عالم میں دل کا پھول کھلائے رکھا ہے

پرانے تجربوں کی روشنی میں ہے سفر جاری
بجائے مٹیوں کے ہر قدم پتھر پہ رکھتا ہوں

سفرنامہ مکمل ہو چکا ہے
ابھی پہلا قدم اٹھا نہیں ہے

وفاؔ سکندرپوری کی غزلوں میں یوں تو اردو کی روائتی غزلوں کا رنگ ملتا ہے لیکن انہوں نے اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق پرانے رنگوں میں سے کچھ خارج کیا اور کچھ کو شامل کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہہ سکتے ہیں کہ وفاؔ نے تغزل میں اہم تجربات نہ کرنے کے باوجود ایک معیار پیش کیا ہے۔اپنا ایک خاص لہجہ اپنایا ہے جس میں رکھ رکھاؤ ہے، بے ساختہ پن ہے، صداقت ہے، تلخی ہے، حیات وکائنات کے متعلق بنیادی حقائق ہیں اور صورت حال کا ریاضیاتی عنصر ہے!

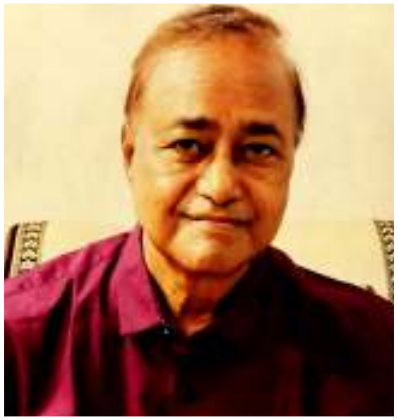

رمیش کنول

جو بھی ہے سب اسکا ہے

'اردو شاعری پر ایک نظر میں' مشہور نقاد کلیم الدین احمد کلیم نے جب غزل کو ایک نیم وحشی شے بتایا تو وبال مچ گیا- پروفیسر رشید احمد صدیقی نے اپنی کتاب جدید غزل (۱۹۵۵) میں غزل کو اردو شاعری کی آبرو تسلیم کیا- کئی تنقید نگاروں کے سخت حملے اور عاشقانہ شعر وادب کے دفاع کی بدولت غزل کی مقبولیت میں روز بہ روز اضافہ ہوا غزل کا معنی اب محبوب سے گفتگو تک ہی محدود نہیں رہ گیا ہے- آج کا محبوب باشعور ہونے کے ساتھ ساتھ جنس سے لیکر زندگی کے ہر مسئلہ پر اپنی رائے رکھتا ہے لہٰذا اب غزل کا معنی محبوب سے گفتگو نہیں ہو کر متنوع گفتگو تسلیم کر لینا چاہئے۔ چونکہ آپکی گفتگو ایک پڑھے لکھے مہذب محبوب سے ہو رہی ہے اس لئے لازم ہے کہ آپکی زبان میں شیرینی، مضمون میں گداز اور برتاؤ میں لوچ ضروری رہے

لیکن اب غزل محبوب کی باتیں، اسکے حسن کی پذیرائی، اسکی وفاشناسی کے تذکرے اور بیوفائی کا سوگ منانے سے بہت دور نکل چکی ہے۔اب وہ انسان کے سکھ دکھ، سماج کی برائیوں، مزدور دہقاں اور خواتینوں کے دکھ سکھ کا علم بردار بن گی ہے وہ حکومت کو عوام کو راحت میسّر کرانے

کی یاد دلاتی ہے۔سماج کو آئینہ دکھانے کا کام کرتی ہے۔

جینے والے نظر تو آتے ہیں
زندگی اب نظر نہیں آتی

ہر دفتر میں رنگیں کاغذ کی تھی مانگ
میں اپنے اسناد دکھا کر کیا کرتا

سب بہرے تھے میں بھی گونگا بن بیٹھا
لفظوں کا انبار لگا کر کیا کرتا

ارباب دستور کے ہاتھوں یہ کیسی ترمیم ہوئی
محنت والوں کی مزدوری آوروں میں تقسیم ہوئی

لگے گی آگ تو تو بھی جلے گا
یہاں میں ہی نہیں، تو بھی یہیں ہے

سیانے کیسی حرکت کر رہے ہیں
کہ دیوانے بھی حیرت کر رہے ہیں

برا بہروپیوں کو کہنے والے
مکھوٹوں کی تجارت کر رہے ہیں

مندرجہ بالا سبھی اشعار غزل کے ہیں جی ہاں آج کی غزل کے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ

محبوبہ سے بات کرنے کا تمغہ غزل نے لوٹا دیا ہے محبوب کے حسن و جمال، دل، پیار محبّت، وفا، بیوفائی یہ سب بھی غزل کے موضوع بنے ہوئے ہیں لیکن اسکی خوبصورتی میں اضافہ بھی ہوا ہے۔

کہنے کا مطلب یہ کہ غزل اب پرانی داستان سے باہر آ کے نئی وسعتوں کی تلاش میں نکل پڑی ہے جناب وفاؔ سکندر پوری کا شعری مجموعہ 'لہو کا سفر' کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ پائینگے کہ اس میں لکیر سے ہٹ کر بہت کچھ ہے آیئے میں آپکو اس مجموعہ کی رعنائی اور تصوّر و خیالات کی رنگینیوں کی محفل میں لے چلوں۔

جناب وفاؔ سکندر پوری مغربی بنگال کے بیحد مصروف رہنے والے شہر کولکاتا سے تقریباً ۳۵ کلومیٹر دور مصروف ترمنی شہر کانکی ناڑا میں رہتے ہیں۔جنم اتر پردیش کے بلیا ضلع کے گاؤں سکندر پور میں ہوا لیکن تعلیم کلکتہ یونیورسٹی سے حاصل کی لہٰذا شہر میں پرورش اور آب و دانہ کے باوجود گاؤں کی صفت انسانی سے دور نہیں ہو سکے۔

شہر اور گاؤں کی تعریف میں وفاؔ صاحب کے خیالات دیکھئے:

ہڑتال اور جلسہ جلوسوں کا سلسلہ
کلکتہ ہا و ہو میں گرفتار کب نہ تھا

شہروں میں لوگ اپنے رنگیلے سپنے لیکر جاتے ہیں لیکن وہاں انھیں کچھ نصیب نہیں ہو پاتا:

تعبیروں کے شہر میں عریانی سی ہے
اوڑھ کے اپنے خوابوں کی چادر لوٹیں

شہر کی حویلیوں کی خستہ حالی کسی سے چھپی نہیں ہے:

حویلیوں کی طرف تاک کر صدائیں نہ دے
شریف آدمی خستہ مکاں سے نکلیں گے

بہت لوگوں کو جیتے جی رہنے کیلئے ایک گھر نصیب نہیں ہو پاتا لیکن وفاؔ صاحب کی پریشانی کا سبب یہ ہے کہ انہیں مرکر بھی قبر نصیب نہیں ہونے کا اندیشہ لگا ہوا ہے

شہر میں تو قبرستان بھی چھوٹے پڑنے لگے ہیں:

بہت لوگوں کی یہ دو گز زمیں ہے
سو میری قبر بھی میری نہیں ہے

شہر میں آدمی کی تنہائی کا کرب ملاحظہ فرمائے:

نہ باہر کوئی اپنا ہے، نہ اندر
وہ در ہوں کہ مقفل ہوں نہ وا ہوں

شہر میں لوٹ کا عالم دیکھئے:

اپنی قیمت بحال رکھتے ہیں
نقلی سامان بھی دکانوں میں

شہر میں بڑی سے بڑی واردات ہو جائے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کوئی بالکنی سے جھانکتا تک نہیں گاؤں میں تو کوئی آئے سبھی کو خبر ہو جاتی ہے اور لوگ ان کی کھوج خبر بھی لیتے ہیں

کیا رکھوں رشتہ ان قبیلوں سے
جو نکلتے نہیں فصیلوں سے

شہر میں گاؤں کا رواج نہیں
کوئی آتا ہے آئے میلوں سے

اس دور میں عدل اور انصاف کا بہت برا حال ہے۔ سب رشوت اور بھرشٹا چار کی

گرفت میں ہیں مجرم ہی جب تختِ عدلیہ پر قابض ہو جائیں تو کوئی انصاف کی توقع کرے بھی تو کیسے

دیکھ لیا تھا میں نے منصف کا چہرہ
قاتل کی پہچان بتا کر کیا کرتا

بنا ہوا ہے مسیحا وہی جو قاتل ہے
مزید یہ کہ وہی منصفوں میں شامل ہے

صحنِ چمن سے باہر کیوں پھیلتی ہے خوشبو
اک دن اسی بنا پر مجرم گلاب ہوگا

اب کئی دیگر موضوع کا لطف اٹھائے

قدرت کا ایک منظر دیکھئے

پھول چنتی ہے اوس سبزے پر
صحن کی زرد گھاس مت کرنا

یاد

شہر وفا اب سناٹوں کی بستی ہے
لیکر بیتی یادوں کا دفتر لوٹیں

یادوں کا تانا بانا
تنہائی پر پردہ ہے

داد دے میری سرپرستی کو
یاد تیری جوان کب نہ رہی

چھیڑتا رہتا ہے ماضی حال کو
یاد کا شہپر کترنا ہے مجھے

فخر

گو مٹی کا ایک دیا ہوں
لیکن روشن ہی رہتا ہوں

تاریخ و ماہ اُس نے زبانی بتایے تھے
دیدار کا سبق تھا مجھے یاد ہو گیا

افسوس

شاعر کے چند اشعار افسوس پر ملاحظہ فرمائیں

دل! بے چارہ دل!! شاعر کے قبضے سے باہر ہے

دل گستاخ پر قبضہ نہیں ہے
یہ میرے جسم کا حصّہ نہیں ہے

پہلا قدم اٹھائے بغیر سفرنامہ ختم ہونے کا افسوس

سفرنامہ مکمّل ہو چکا ہے
ابھی پہلا قدم اُٹھا نہیں ہے

چھت کے آنسو ٹپکنے کا تصوّر۔

جو روتا ہے یہ آسماں مختصر بھی
مرے چھت کے آنسو ٹپکتے بہت ہیں

سازشوں کی نذر ہونے کا افسوس

میں سازش کی نذر ہوا ہوں
کل اچھا تھا، آج برا ہوں

خاموش طبیعت کا افسوس

کہنے کو بہت کچھ ہے، لیکن نہیں کہہ سکتا
مجبور ہوں میں اپنی خاموش طبیعت سے

التجا

التجا کی خوبصورتی تو دیکھئے

بن جا میری نیند کوئی شب
اکثر تیرا خواب بنا ہوں

اکیلا چھوڑ کر مجھ کو نہ جانا
تری منزل کا میں ہی راستہ ہوں
آب سمجھ یا اشکِ ندامت
تیرے دامن سے لپٹا ہوں

نصیحت

قوم کی بہتری کے لئے نصیحت دینے کا رواج بہت قبل سے چلا آ رہا ہے محبوب شاعر وفاؔ سکندر پوری کی نصیحتیں معنی خیز ہیں ملاحظہ ہو

منزل مقصود جب ملتی نہیں
راستہ اپنا بدلتے کیوں نہیں

دردِ محبّت پونجی ہے
اس میں اور اضافہ کر
گھر کے اندر سیلن ہے
بند دریچے کھولا کر

ہر گھڑی گھر میں ہی رہتے ہو وفاؔ
کوئی دم باہر نکلتے کیوں نہیں

چھوڑ مسائل غیروں کے
جا پہلے اپنا گھر دیکھ

کیوں شاخ بے ثمر کی طرح ہو تنے ہوئے
خدمت میں بزرگوں کی کھڑے ہو، جھکو میاں

خواب

یہ کہہ کر ہو گئے رخصت مرے خواب
کھلا نیندوں کا دروازہ نہیں ہے

فلسفہ

تم کیا جانو میں کیا جانوں
پل میں کیا ہونے والا ہے

زندگی

زندگی پر الگ انداز کے اشعار ''لہو کا سفر'' سے ملاحظہ فرمائیں

مرنے کے لئے اک عمر جیا
جینے کے لئے کیا کیا نہ کیا

ہم زندگی سے ہر پل یاری نبھا رہے تھے
کس کو خبر تھی اک دن جینا عذاب ہوگا

مرے آشنا کی بھی زندگی مرے انتظار میں کٹ گئی
مری زندگی بھی گزر گئی کسی اجنبی سے نباہ میں

دل

نظر سے نظر مل چکی ہے وفاؔ
ابھی دل میں دل کو سمونا بھی ہے

دل چاہے تو دل تک جاؤ
آنکھوں میں وہ دروازہ ہے

آنکھ

ایک نظر میں دل غا یب
آنکھ کا جادو منتر دیکھ

کیا ہے آنکھوں کی تحریر
ممکن ہو تو پڑھ کر دیکھ

وصل کے کچھ منظر دیکھئے

لب کشائی پہ تھیں بندشیں
ساری باتیں مگر ہو گئیں

موسم شباب کا ہے سنجیدگی نہ ڈھونڈو
برسات کے دنوں میں دریا نہیں اترتا

میں نے حد سے گزر کے دیکھ لیا
کوئی حد آخری نہیں ہوتی
کر جائینگے ہم تجھ پہ نظر شاہ جہاں کی
سب لوگ تجھے تاج محل کہتے رہینگے

اسیرِ دام ہوتا جا رہا ہوں
تمہارے نام ہوتا جا رہا ہوں

اورایک یہ بھی

تمھارے وصل کی کیا اہمیت ہے
شبِ ہجراں یہ اندازہ کرینگے

اردو

اردو کی بدحالی پر وفاؔ صاحب مایوس دکھتے ہیں

خبر ہے گرم کہ اردو کے دن بھی لوٹیں گے
یقین گو کہ ابھی پردۂ قیاس میں ہے

آواز اس کے حق میں اٹھاتے نہیں، مگر
خواہاں تو اہل ہند ہیں اردو زبان کے

شاعری کیا ہے؟ شاعری پس منظر کو دیکھ پانے اور اسے بیان کرنے کا ہنر ہے ایک تو منظر ہوتا ہے جسے ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں، اس منظر کے پیچھے کیا ہے اسے ہمارے دل و دماغ کی آنکھ دیکھتی ہے، الفاظ چنتی ہے اور شعر میں پروتی ہے۔ ہنستے ہوئے چہرے کے پیچھے چھپی گھٹن، تڑپن، اداسی اور اکیلا پن ہر کوئی نہیں دیکھ سکتا منظر کو بیان کرنا شاعر کا کام نہیں یہ خبر نویس کرتے ہیں۔ پس منظر کا بیان کرنا نام کمانے کا سبب بنتا ہے پس منظر کے نظارے جو جتنی صفائی سے دیکھ پاتا ہے اتنا ہی بڑا شاعر ہوتا ہے

مجھے بھی چاہئے تھوڑی سی شہرت
کہ میں گمنام ہوتا جا رہا ہوں

آؤ تم بھی وفا کے ساتھ چلو
تنہا آوارگی نہیں ہوتی

ترک الفت پر تجھے بھی ہے پشیمانی بہت
شرم آتی ہے مجھے بھی بے وفا کہتے ہوئے

اکیلا مکیں ہے کرے بات کس سے
پرندے ہی گھر میں چہکتے بہت ہیں

نہ ہو جائیں داخل حصار جنوں میں
خیالات برہم بہکتے بہت ہیں

کوئی نہ کر سکا اس کو غلط بیاں ثابت
وہ اپنی جھوٹ کے اوپر اڑا ہی ایسا تھا

مختلف ہوتے ہیں غریبوں سے
جتنے دل کے غریب ہوتے ہیں

اس سے ملنے کی صورت نکل آئے گی
مجھ سے اس کی ضرورت نکل آئے گی

پاکستان کے مشہور شاعر ظفر اقبال کی اس بات سے آپ اتفاق رکھنا چاہیں گے کہ ''شعر تو وہ ہوتا ہے جسے پڑھ کر دوسروں کے ساتھ شیر کرنے کو جی چاہے عمدہ شعر تو ہمیشہ رہنے والے دان کی طرح ہوتا ہے۔ شعر کا دوسروں سے مختلف ہونا ہی اسکی اصل خوبی ہے''۔ اب وفاؔ صاحب کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

اچھا یہ فیصلہ ہے تصوّر کا آپکے
تنہائی میں بھی کوئی اکیلا نہیں رہے

وہاں کی بات چلی تو ضمیر کانپ اٹھا
جہاں کے لوگ پرائے اثر میں رہتے ہیں

سچّائی ہر آن وفا کے آگے تھی
خوابوں کی دیوار اٹھا کر کیا کرتا

کون پہنے، کون پہنائے وفا
بے سروں کے شہر میں دستار ہے

یہ تو ممکن ہے صرف اپنوں سے
غیر سے دشمنی نہیں ہوتی

سوچو تو اچھا لگتا ہے
سب تیرے ہیں، تو سب کا ہے

آہار کے کام آیا دکھ میں
سکھ میں سونا سنگار بنا

جو بھی ہے سب اس کا ہے
میرے پاس مرا کیا ہے؟

اسی کی دی ہوئی توفیق کا یہ معجزہ کہئے
جبیں اس نے عطا کی ہے، اسی کے در پہ رکھتا ہوں

ہم جن چھوٹی چھوٹی باتوں پر دھیان نہیں دیتے انہیں کو وفاؔ صاحب اپنے انوکھے انداز میں اپنی غزلوں میں پرو دیتے ہیں۔ انہیں پڑھ کر لگتا ہے کہ ارے یہ تو میری یا مرے اڑوس پڑوس میں رہنے والوں کی ہی بات کر رہے ہیں ہمیں کوئی شاعری تبھی پسند آتی ہے جس سے ہم خود کو کنیکٹ کر لیتے ہیں ورنہ وہ تو اَن پڑھوں کے لئے فارسی کے سمان ہیں ثبوت دیکھئے:

جو رات تیری عنایت سے میں نے پائی تھی
وہ میرے شوق کی سب سے بڑی کمائی تھی
مری مراد بر آئی تھی تیرے دم سے ہی
جو بات میری تھی تیری زباں پہ آئی تھی

اسی کے کہنے پہ میں نے قسم کو توڑا تھا
اسی کے کہنے پہ میں نے قسم بھی کھائی تھی

مجھے شعر گوئی کی عادت تو ہے
وہ پیش نظر ہے سہولت تو ہے

وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہوں میں
مرے دل پہ اس کی حکومت تو ہے

لبوں پر آج دل کی بات بھی ہے
مری ہر بات کو ہنس کر نہ ٹالو

کہاں تک ٹھوکروں کی راہ دیکھوں
مجھے گرنے سے پہلے ہی سنبھالو

وفاؔ صاحب کے کلام میں موسیقی بھی ہے، صناعی بھی، مصوری بھی ہے، پرکاری بھی،

تصوّرات کی وسعت بھی اور خیالات کی پاکیزگی بھی جو قاری کے دل و دماغ کو سکون عطا کرتی ہے:

اجنبی سمت ہو گیا رخصت
کام آیا نہ چار سو کا سفر
زرو مال مانا کہ تیری عطا ہے
یہ نعمت بھی لیکن مجھے مختصر دے

رسمی باتوں کے جام چھلکانا
خالی دل کا گلاس مت کرنا

اجالے پھیل گئے ہر سو اس کی راہوں میں
کچھ اس طرح سر مژگاں سجا دیے آنسو

اجڑ گئی تھی گھنی بستی ایک ہی شب میں
تمام گھر ہی تھے خالی بسادئے آنسو

چار آنکھیں عنوان مہیا کر دیتی ہیں
دو دل کے آہنگ فسانے بن جاتے ہیں

ہوشیاروں کی صحبت جب حاصل ہوتی ہے
سیدھے سادے لوگ سیانے بن جاتے ہیں

منتظر تھیں حقیقتیں لیکن
ہم ہی الجھے رہے فسانوں میں

مر کے بھی رابطہ ہے مقتل سے
قتل ہوتے ہیں داستانوں میں

لہو کا سفر جناب وفاؔ سکندر پوری کا پہلا شعری مجموعہ ہے جو بہت گزارش کے بعد انہوں نے شائع کرنے کے لئے مہیا کرائی ہے آپ مرے استاد اول ہیں انہیں سے میں نے اردو شاعری کا الف بے سیکھا ہے میں کوئی مضمون نگار یا ناقد نہیں جو انکی شاعری پر لکھ سکوں لیکن انکا حکم ہے کہ میں انکے شعری مجموعہ پر اظہار خیالات کروں لہٰذا یہ مضمون حاضر ہے میں کہاں تک اس مجموعہ کی خوبیوں کو آپ کے روبرو پیش کر سکا اسکا فیصلہ آپ پر لیکن یہ واضح ہے کہ موضوعات تنوع سے بھرپور ہیں انسانی فطرت ہو، سماجی ضرورت ہو، سیاسی موضوع ہو، تذکرہ محبّت کا ہو یا کچھ اور خاص سب کو اپنی غزلوں کے اشعار میں نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے انہوں نے:

چاہیے یوں تو بہت کچھ ابن آدم کو وفا
فی زمانہ سب سے پہلے آدمیت چاہئے

مجھ کو بھی ایک نعمت نایاب چاہیے
آنکھیں ہیں، نیند بھی ہے، ترا خواب چاہیے

ان کے لئے کفن نہ کہیں مسئلہ بنے
جن کو ہمیشہ اطلس و کمخواب چاہیے

غم کو ملتی رہی توانائی
مری صحبت میں جان کب نہ رہی

ساری باتیں ہوئیں نگاہوں سے
خامشی درمیان کب نہ رہی

ہر لمحہ سر پہ دھوپ غموں کی کڑی ہوئی
بھولے سے بھی نہ دل کو میسّر خوشی ہوئی

خانۂ دل سے اس کو نہ لے جا سکی
آخر آخر مجھی کو قضا لے گئی

ناخدا ناخدائی سے جب پھر گیا
ناؤ ساحل پہ موج بلا لے گئی

دیکھتی رہ گئی چشم عریانیت
جس بلندی پہ مجھ کو حیا لے گئی

بے گناہی وفا کی نہ رہبر بنی
مجھ کو دارو رسن تک سزا لے گئی

امید کرتا ہوں کہ شعری مجموعہ ''لہو کا سفر'' آپکے خیالوں کو متاثر کرے گا دل کے دروازہ پر ایک طویل عرصہ تک دستکوں کی گونجتی شہنائی کا احساس کراتا رہے گا۔ آمین

رمیش کنول
چیرپرسن
بزم-حفیظ بنارسی، پٹنہ

غزلیں

○

میری تنہائی میں جلوہ گر کون ہے
بے کسی پر مری نوحہ گر کون ہے

عین موقع پہ کرتا ہے میرا دفاع
ہے کوئی میرا حامی مگر کون ہے

سنگِ خستہ بکھرنے سے محفوظ ہیں
اس کھنڈر میں چھپا، باہنر کون ہے

غور کرتا ہے میری ہر اک بات پر
میرے حالات سے با خبر کون ہے

گم رہی تو مری تاک میں ہے، مگر
رہ بری کو سرِ رہ گذر کون ہے

میرے قدموں کی آہٹ اکیلی نہیں
ہر قدم پر مرا ہم سفر کون ہے

کرتا رہتا ہے ہشیار مجھ کو وفاؔ
میرے سینے کے اندر دگر کون ہے

□□□

○

نظر سے کہہ دو نہ سونپے زباں کو اپنی بات
نگاہِ عام میں ہوگی نہیں یہ اچھی بات

وہ ایک بات جو ہم دونوں کر گئے محسوس
زمانہ اس کو سمجھتا ہے بے تکی سی بات

جواز حرکتِ بے جا کا زور دار سہی
غلط سی بات بہر حال ہے غلط سی بات

فسانہ وقت کا سنتا ہے آدمی لیکن
سنے نہ وقت کبھی رُک کے، آدمی کی بات

گو اچھی بات ہے آہستہ بولیے پھر بھی
کہیں پڑوس میں پھیلے نہ الٹی سیدھی بات

خلوص، جذبۂ ایثار، اتحاد، وفاؔ
مرے شعور میں آئی ہے کس صدی کی بات

□□□

○

خود ہی لکھتا ہے مجھے خود ہی مٹا دیتا ہے
یوں مرے ہونے نہ ہونے کا پتا دیتا ہے

وہ مرا کون ہے میں کون ہوں اُس کا سوچوں
میرا بگڑا ہوا ہر کام بنا دیتا ہے

جذبۂ شوقِ وفا ہوتا ہے جس دم مجروح
ذہن و دل میں کئی طوفان اٹھا دیتا ہے

کھیل بھی اُس کا نرالا ہے اُسی کے جیسا
ڈوبنے والے کو اک تنکا بچا دیتا ہے

روز پڑھتا ہے وہ بوسیدہ صحیفہ میرا
روز بکھرے ہوئے اوراق سجا دیتا ہے

یوں بھی دشمن کو مرے کرتا ہے وہ خوف زدہ
خود کماں بن کے مجھے تیر بنا دیتا ہے

وہ مرے ذہن کی چوکھٹ پر سرِ شام وفاؔ
اک دِیا اپنے تصور کا جلا دیتا ہے

□□□

○

آیئے کرلیں گفتگو کوئی
پوری ہوجائے آرزو کوئی

جانے کس سمت گم ہوا ہوں میں
جستجو میں ہے چار سو کوئی

تیلیاں ضو فشاں ہیں چلمن کی
ہے پسِ پردہ ماہ رو کوئی

چھین کر پیرہن گلابوں کا
سر سے پا تک ہے رنگ و بو کوئی

دستِ قاتل رکا ہوا کیوں ہے
زیرِ خنجر تو ہے گلو کوئی

کر گیا کوئی محنتیں برسوں
ہوگیا پل میں سرخ رو کوئی

خود پرستی ہے آپ کا شیوہ
کیسے بھائے گی میری خو کوئی

برملا عرضِ حال کرنا ہے
اتفاقاً ہے روبرو کوئی

□□□

○

میری جھولی اگرچہ خالی ہے
مانگ، اللہ میرا والی ہے

ساتھ ہوتے تو یہ نہیں ہوتا
ہجر کی رات کتنی کالی ہے

کون جانے وہاں گزر بھی ہو
دل کی بستی جہاں بسالی ہے

مجھ کو ٹالا نہیں ہے چوکھٹ سے
بات اس نے اگرچہ ٹالی ہے

محوِ حیرت ہے تیرگی اس پر
شمع نے خود ہی لو بڑھالی ہے

میری چاہت مرا عقیدہ دیکھ
تیری تصویر بھی خیالی ہے

□□□

○

تھم گیا آخرش لہو کا سفر
ہوگیا ختم باؤ ہو کا سفر

راہیں مسدود ہوگئیں ساری
پھر بھی جاری ہے جستجو کا سفر

اجنبی سمت ہوگیا رخصت
کام آیا نہ چار سو کا سفر

کوئی منزل کوئی مقام نہیں
بےنتیجہ ہے آرزو کا سفر

آگے آگے ہے کوئی حسنِ بہار
پتہ دیتا ہے رنگ و بو کا سفر

اک چھلاوا تھی منزل معیار
ایک دھوکا تھا جستجو کا سفر

منزلِ جاں کا جب پتہ ہے وفاؔ
کیوں کرے کوئی کو بہ کو کا سفر

□□□

○

آخرش ہم کس طرف جانے لگے
ہم سفر چلنے سے کترانے لگے

خاموشی کس شکل میں آئی نظر
بے تحاشا لوگ چلّانے لگے

کون سا ہے راستہ زیرِ قدم
ٹھوکروں کے نام یاد آنے لگے

کیا نظر آیا کسی کی ہار میں
جیت کر بھی لوگ پچھتانے لگے

بات کیسی چھیڑ دی تنہائی نے
ذہن و دل آپس میں ٹکرانے لگے

کیا خطا بڑھتے ہوئے قدموں نے کی
فاصلے زنجیر پہنانے لگے

آئینہ خانوں کے حامی بھی وفاؔ
آئینہ پتھر کے بنوانے لگے

□□□

○

سیانے کیسی حرکت کر رہے ہیں
کہ دیوانے بھی حیرت کر رہے ہیں

کسی کے ہاتھ آلودہ نہیں ہیں
تو کیا پتھر شرارت کر رہے ہیں

برا بہروپیوں کو کہنے والے
مکھوٹوں کی تجارت کر رہے ہیں

جہاں وہ ہیں وہاں کے بام و در کی
تصور میں زیارت کر رہے ہیں

اُنہیں زخموں کی رشوت لازمی ہے
جو تیروں کی وکالت کر رہے ہیں

کرائے کے ہیں تخت و تاج جن کے
وہی ہم پر حکومت کر رہے ہیں

□□□

○

سبھی کو آزمانے جا رہا ہے
وہ ڈر اپنا مٹانے جا رہا ہے

نیا سامان لایا ہے مداری
نیا کرتب دکھانے جا رہا ہے

چھپی جاتی ہے منزل گردِ رہ میں
مسافر خاک چھانے جا رہا ہے

دہائی دے رہا ہے تیر اُس کا
کماں ڈھیلی ہے تانے جا رہا ہے

دِیا بھی کس نشے کی جھونک میں ہے
ہوا میں لڑکھڑانے جا رہا ہے

ملی ہے دعوتِ تقریر اُس کو
سنے گا کیا سنانے جا رہا ہے

نہ راس آیا اسے دو لخت آنگن
نئی دیوار ڈھانے جا رہا ہے

وفاؔ دل سے نہیں بہتر کوئی جا
کہاں غم کو چھپانے جا رہا ہے

□□□

○

کتنی تاثیر ہے زبانوں میں
بانٹ دیتی ہے ہم کو خانوں میں

اُن کے تیور عجیب ہوتے ہیں
تیر رہتے ہیں جن کمانوں میں

اپنی قیمت بحال رکھتے ہیں
نقلی سامان بھی دکانوں میں

ان کو فرشِ زمیں پہ مت لاؤ
رہتے آئے جو آسمانوں میں

منتظر تھیں حقیقتیں، لیکن
ہم ہی الجھے رہے فسانوں میں

مر کے بھی رابطہ ہے مقتل سے
قتل ہوتے ہیں داستانوں میں

کچھ وہی شئے ہے میرے دل میں بھی
چھپی رہتی ہے جو چٹانوں میں

بال و پر ہوگئے نڈھال وفاؔ
لطف باقی نہیں اڑانوں میں

□□□

○

کیا رکھوں رشتہ ان قبیلوں سے
جو نکلتے نہیں فصیلوں سے

ان کو پیاری ہے اپنی ضد شاید
زیر ہوتے نہیں دلیلوں سے

شہر میں گاؤں کا رواج نہیں
کوئی آتا ہے آئے میلوں سے

آبِ یک جرعہ کی بساط ہی کیا
تشنہ لب اٹھ چکا ہوں جھیلوں سے

محسنوں سے نجات باقی ہے
کام تو بن گیا وسیلوں سے

ہوگیا خوگرِ فریب وفاؔ
باز آئے نہ کوئی حیلوں سے

□□□

○

لوگوں کو معلوم ہے دھرتی سے ہی آس لگائیں گے
شاخیں جتنی بھی اونچی ہوں پھل نیچے ہی آئیں گے

کوئی گھر کی ویرانی جب راج کرے گی ہر گھر میں
بستی بستی سنّاٹے اپنا پرچم لہرائیں گے

بوسیدہ گھر کے شہتیروں کو شاید معلوم نہیں
اب کے بارش میں دیواروں کے کاندھے تھک جائیں گے

باسی پھولوں کی خوابیدہ خوشبو لے گی انگڑائی
تیز ہوا کے جھونکے جب گل دانوں سے ٹکرائیں گے

قید پرندوں کو کرنا آسان ہے، چپ رکھنا مشکل
لاکھ شکستہ پر ہوجائیں لیکن شور مچائیں گے

فرزانے ہی وسعتِ صحرا کی دعوت کرلیں منظور
صحنِ چمن کی تنگی میں تو دیوانے گھبرائیں گے

کون وفاؔ کے ساتھ کرے گا دنیا سے ہٹ کر برتاؤ
اس نے جن کو پھول دیئے وہ پتھر ہی برسائیں گے

□□□

میرا مدِّ مقابل ہکّا بکّا ہے
یارو! میری پیٹھ میں خنجر کس کا ہے

ویسا ہنگامہ تو کل کی رات نہ تھا
آج کے اخبارو میں جیسا لکّھا ہے

یہ خطّہ بھی کربل کا خطّہ تو نہیں
خون یہاں بھی سستا، پانی مہنگا ہے

آخر کب تک ایک رہیں گے جسم و جاں
سانسوں کا آرا تو چلتا رہتا ہے

اس کی تحریریں ہیں اس کی مرضی کی
کب وہ مجھ کو میرے جیسا لکھتا ہے

□□□

شکستہ بے حساب ہوں
ورق ورق کتاب ہوں

مجھی میں آکے ڈوب جا
بذاتِ خود چناب ہوں

نفس نفس برت مجھے
خیال ہوں نہ خواب ہوں

نہ چھو مجھے نہ پاس آ
حباب ہوں، سراب ہوں

بہار سے غرض ہی کیا
خزاں کا میں گلاب ہوں

چڑھوں بھی کیا ، ڈھلوں بھی کیا
قمر نہ آفتاب ہوں

نہ توڑ رشتۂ وفاؔ
ترا ہی انتخاب ہوں

□□□

○

سوچو تو اچھا لگتا ہے
سب تیرے ہیں، تو سب کا ہے

یہ دنیا منزل تو نہیں ہے
لیکن منزل کا رستہ ہے

تم کیا جانو، میں کیا جانوں
پل میں کیا ہونے والا ہے

اک لمحہ کرتا ہے زندہ
اک لمحہ ڈس بھی لیتا ہے

دل چاہے تو دل تک جاؤ
آنکھوں میں وہ دروازہ ہے

گزرے لمحوں کے صحرا میں
یادوں کا میلہ لگتا ہے

دل گاہے اک مردِ آہن
دل گاہے چھوٹا بچہ ہے

بخیہ گر سے پیچھا چھوٹا
اب زخموں کو بھر جانا ہے

مٹی کی ننگی دیوارو!
بارش کا موسم آتا ہے

آنگن میں دیوار نہ کھینچو
پرکھوں نے اِس سے روکا ہے

ہائے موضوعات سخن کے
کچھ بھی پڑھو نوحہ لگتا ہے

□□□

○

اسیرِ دام ہوتا جا رہا ہوں
تمہارے نام ہوتا جا رہا ہوں

مجھے بھی چاہیے تھوڑی سی شہرت
کہ میں گمنام ہوتا جا رہا ہوں

کہاں سورج کی صحبت راس آئی
اسیرِ شام ہوتا جا رہا ہوں

جدا ہونے لگا ہوں میں لبوں سے
شکستہ جام ہوتا جا رہا ہوں

نہ ڈھونڈو خاص کی کوئی علامت
سراپا عام ہوتا جا رہا ہوں

بھیانک تیرگی سر پر کھڑی ہے
سحر سے شام ہوتا جا رہا ہوں

یہ میری کامیابی کو خبر ہے
کہ میں ناکام ہوتا جا رہا ہوں

حصارِ جسم سے ہے جنگ جاری
حریفِ دام ہوتا جا رہا ہوں

□□□

○

نقاب رُخ سے ہٹا رہے ہو
ہماری وحشت بڑھا رہے ہو

چلے تو آئے ہو شب میں، لیکن
اندھیرے میں جگمگا رہے ہو

ہمیں تو کچھ علم ہی نہیں ہے
کیوں اپنی آنکھیں چُرا رہے ہو

مکان کا ہے کہ مقبرے کا
عجیب نقشہ دکھا رہے ہو

بنے ہو جمشید کا پیالہ
نظارے کیا کیا دکھا رہے ہو

یہ کیسی افتاد آ پڑی کہ
پرانے سکّے بھنا رہے ہو

ذرا تم اپنا بھی جائزہ لو
ہمیں پہ تہمت لگا رہے ہو

□□□

○

خوں سے لکھی ہوئی نہیں ہوتی
آج کل شاعری نہیں ہوتی

میں نے حد سے گزر کے دیکھ لیا
کوئی حد آخری نہیں ہوتی

سوکھ جائے ہرے شجر پر جو
شاخ وہ پھر ہری نہیں ہوتی

تہہ میں طوفان اٹھتا رہتا ہے
خوں کی ندّی چڑھی نہیں ہوتی

یہ تو ممکن ہے صرف اپنوں سے
غیر سے دشمنی نہیں ہوتی

کیوں بناتے ہو گھنگرو کنکر کے
سنگ میں نغمگی نہیں ہوتی

سب کے حدِ سفر سے واقف ہے
رہ گذر اجنبی نہیں ہوتی

ایک بچے نے مجھ کو سمجھایا
دھوپ میں جل پری نہیں ہوتی

آؤ، تم بھی وفاؔ کے ساتھ چلو
تنہا آوارگی نہیں ہوتی

□□□

○

منہ سے نکلی ہوئی ہر صدا لے گئی
تاک میں رہنے والی ہوا لے گئی

شیریں باتوں نے مجھ کو متاثر کیا
میرے حجرے سے جوگن دعا لے گئی

دردِ زخمِ جگر میری جاگیر تھا
کچھ دعا لے گئی، کچھ دوا لے گئی

میں کبھی اُس طرف کو گیا ہی نہ تھا
جس طرف اودی اودی گھٹا لے گئی

عہدِ نو کی ہوا جب بھی داخل ہوئی
کچھ نہ کچھ میرے گھر سے اڑا لے گئی

خانۂ دل سے اُس کو نہ لے جاسکی
آخر آخر مجھی کو قضا لے گئی

آبلے کو جو سمجھا کیا بلبلہ
آج اُس کو سفر کی بلا لے گئی

نا خدا نا خدائی سے جب پھر گیا
ناؤ ساحل پہ موجِ بلا لے گئی

دیکھتی رہ گئی چشمِ عریانیت
جس بلندی پہ مجھ کو حیا لے گئی

بے گناہی وفاؔ کی نہ رہبر بنی
مجھ کو دار و رسن تک سزا لے گئی

□□□

○

خار زاروں سے گزرنا ہے مجھے
کار آساں بھی تو کرنا ہے مجھے

دن کو جو دینا تھا سو میں دے چکا
رات کا بھی قرض بھرنا ہے مجھے

چاک سے سمٹا ہوا اترا تو کیا
خاک ہی تو ہوں بکھرنا ہے مجھے

یہ صدف لگتی ہے مانندِ کہف
اس بھنور سے خود ابھرنا ہے مجھے

جوش گردوں پر اڑا کر لے گیا
ہوش کے بل پر اترنا ہے مجھے

چھیڑتا رہتا ہے ماضی حال کو
یاد کا شہپر کترنا ہے مجھے

آج وہ گزرے گا میری راہ سے
اے دلِ وحشی سنورنا ہے مجھے

چھائی ہے چاروں طرف زردی وفاؔ
مثلِ رنگِ خوں بکھرنا ہے مجھے

○

گو مٹی کا ایک دیا ہوں
لیکن روشن ہی رہتا ہوں

میں سازش کی نذر ہوا ہوں
کل اچھا تھا آج برا ہوں

کب تک مٹّھی میں رکھے گا
میں پانی غبار ہوا ہوں

ہر بھیانک منظر کے پیچھے
ہاتھ اپنوں کے دیکھ چکا ہوں

ہر جانب اشجار کھڑے ہیں
میں کوئی پھل ڈھونڈ رہا ہوں

کس جانب لے جائے گا تو
ہر جانب سے لوٹ آیا ہوں

تیر لگے تو مدت گزری
اب زخموں سے چور ہوا ہوں

تیرے پاس آنے کی خاطر
اکثر تجھ سے دور ہوا ہوں

آب سمجھ یا اشکِ ندامت
تیرے دامن سے لپٹا ہوں

بن جا میری نیند کوئی شب
اکثر تیرا خواب بنا ہوں

□□□

○

انتظار کا اپنے اشک نام رکھ دینا
اک چراغ چوکھٹ پر وقتِ شام رکھ دینا

جب کبھی رقم کرنا داستانِ تنہائی
لفظ لفظ کے اندر ازدہام رکھ دینا

مقتلِ غمِ جاناں امتحاں اگر چاہے
خنجرِ تبسم کو بے نیام رکھ دینا

دل نے آرزوؤں کو بار بار چھیڑا ہے
دل میں آرزوؤں کے انتقام رکھ دینا

منزلِ عطا کردہ محترم سہی، لیکن
رہ روی کے حصّے میں احترام رکھ دینا

نذرِ بے کسی کرنا ذہن و دل کے ہنگامے
اک جہانِ برگشتہ زیر دام رکھ دینا

رہ گذر ہی قدموں سے بار بار لپٹی ہے
رہ گذر میں ہی اپنی صبح و شام رکھ دینا

□□□

○

مجھ کو بھی ایک نعمتِ نایاب چاہیے
آنکھیں ہیں، نیند بھی ہے، ترا خواب چاہیے

بنتے ہیں ہم مزاج ہی اک دوسرے کے یار
ارباب سے غرض نہیں احباب چاہیے

ان کے لیے کفن نہ کہیں مسئلہ بنے
جن کو ہمیشہ اطلس و کمخواب چاہیے

یہ پیکرانِ سنگ نفاست پسند ہیں
شیشے کا گھر بھی نادر و نایاب چاہیے

آسانیاں سبھی کو ملیں اپنے گاؤں میں
پنگھٹ کے آس پاس ہی تالاب چاہیے

دل کو مرے نہ دے ابھی قندیلِ آرزو
بچہ ہے اس کو کرمکِ شب تاب چاہیے

فرزانے سوئے دشت چلے آئے تھے وفاؔ
پاکی کو اس نواح میں سیلاب چاہیے

□□□

○

کون میرے ساتھ ہے، دیکھوں ذرا
سر پہ کس کا ہاتھ ہے دیکھوں ذرا

کھا گئی سارے چراغوں کی ضیا
کیسی کالی رات ہے، دیکھوں ذرا

کر رہا ہے سب کو جو لفظوں میں قید
کون یہ بقراط ہے، دیکھوں ذرا

وہ چتر چالاک بیٹھا ہے جہاں
ڈال ہے یا پات ہے، دیکھوں ذرا

اس طرف تو پیڑ پودے خشک ہیں
کس طرف برسات ہے، دیکھوں ذرا

آ گیا ہوں میں بھی بزمِ ناز میں
کیا مری اوقات ہے، دیکھوں ذرا

کھیل جاری ہے پسِ پردہ وفاؔ
آج کس کی مات ہے، دیکھوں ذرا

□□□

○

میری شام و سحر ماہ پاروں سے ہے
آج کل گفتگو چاند تاروں سے ہے

میں تو قطرہ ہوں اپنی پناہوں میں رکھ
بحر کی زندگی بھی کناروں سے ہے

میرے فن کو نہ محدود و محصور کر
منظروں کا تعلق نظاروں سے ہے

کون ہے میرا غم خوار تیرے سوا
جان پہچان یوں تو ہزاروں سے ہے

ناز اٹھاتے ہیں اک قطرۂ خون کا
دل کا سارا بھرم غم کے ماروں سے ہے

انتہا جانے کس رنگ میں ہو عیاں
ابتدا دو دلوں کے اشاروں سے ہے

□□□

○

اس کے کوچے میں گزر دشوار ہے
ہر نظر مانندِ نوکِ خار ہے

سر پہ رہتا ہے مسلط ہر گھڑی
آسماں گویا زمیں پر بار ہے

چہروں کو پڑھنے سے فرصت ہی نہیں
ہاتھ میں لپٹا ہوا اخبار ہے

عالمِ وحشت میں ہم جاتے نہیں
قریۂ صحرا میں ہی گھر بار ہے

زینتِ گلشن ہے اب کے رت میں جو
کیا خبر وہ پھول ہے کہ خار ہے

جانے پروانے کہاں گم ہوگئے
آس میں روشن چراغِ دار ہے

ہوتا رہتا ہے سدا کچھ توڑ پھوڑ
مجھ میں کوئی برسرِ پیکار ہے

کون پہنے، کون پہنائے وفاؔ
بے سروں کے شہر میں دستار ہے

○

اس حقیقت کے علاوہ اور کیا ہم لوگ ہیں
انتہا جس کی نہیں وہ ابتدا ہم لوگ ہیں

ہم سے ملئے تو سہی پھر کیجیے گا فیصلہ
بے وفا ہم لوگ ہیں یا با وفا ہم لوگ ہیں

کیا کریں گے چوم کر خنجر بکف ہاتھوں کو ہم
خون کے دھبّے نہیں، رنگِ حنا ہم لوگ ہیں

مل گئی ہو زندگی تو اتنی زحمت کیجیے
ڈھونڈ لیں ہم کو بھی جینے کی ادا ہم لوگ ہیں

ہم فقیروں کی گلی میں کچھ نہیں، کچھ بھی نہیں
خاک ہی لے جایئے دستِ شفا ہم لوگ ہیں

وسعتِ قلب و نظر کے ساتھ بڑھتے جایئے
دور تک پھیلا ہوا اک سلسلہ ہم لوگ ہیں

ہم جہاں بھی ہیں وہیں محفوظ رہنے دیجیے
ورنہ چہروں میں چبھیں گے آئینہ ہم لوگ ہیں

یوں نہ تفریحاً بجھائیں اپنے دامن سے ہمیں
جس کی لَو میں سرکشی ہے وہ دیا ہم لوگ ہیں

□□□

○

بہت لوگوں کی یہ دو گز زمیں ہے
سو میری قبر بھی میری نہیں ہے

تجھے ہے سوانگ بھرنے میں مہارت
مجھے بھی اپنی آنکھوں پر یقیں ہے

اسے کس نام سے آواز دوں میں
سیہ دل ہے مگر روشن جبیں ہے

سر آنکھوں پر تری شیریں بیانی
مگر مشکوک تیری آستیں ہے

جہاں بچپن جدا مجھ سے ہوا تھا
وہ میرا منتظر اب تک وہیں ہے

جو ہو وہ نرم، کیا ہے لالہ و گل
اگر ہو سخت پتھر، کچھ نہیں ہے

لگے گی آگ تو تُو بھی جلے گا
یہاں میں ہی نہیں، تو بھی یہیں ہے

کہیں بستی ہوئی ہے نذرِ آتش
دھواں جنگل میں جنگل کا نہیں ہے

وفاؔ کیسا ہے یہ طورِ رہائش
مقفل ہے مکاں اندر مکیں ہے

□□□

○

جدّتِ اظہار کا جب در کھلا
شعر و نغمہ کا نیا پیکر کھلا

کس قدر خوابِ سحر تھا دل فریب
آنکھ کھلتے ہی یہ کیا منظر کھلا

کیوں برہنہ سر کھڑی ہیں بستیاں
کیوں نظر آتا ہے گھر کا گھر کھلا

سر چھپانے پر بھی پتھر آئیں گے
جب ترے گھر ہی کا ہے چھپر کھلا

کس قدر چادر ہوس کی تنگ تھی
خیر سے پاؤں چھپا تو سر کھلا

کس کی دستک کس کی آہٹ پر وفاؔ
ہر طرف ہے بابِ شور و شر کھلا

□□□

○

ادا جتنے جملے ہوئے پیار میں
کب آئے نظر میرے اشعار میں

شبِ وصل خاموش رہتا نہیں
اگر فائدہ ہوتا تکرار میں

رعونت نہ وحشت نہ شدت نہ جوش
بہت سادگی تھی ستم گار میں

سکوں نام کی کوئی شئے مطلقاً
نظر آئی بن میں نہ گل زار میں

تمنا ہے طاعت ہے یا جوش ہے
جو خوابیدہ ہے دلِ افگار میں

پرانا ہی تھا سب برا یا بھلا
نیا کچھ نہ تھا اُس کے کردار میں

کسی زاویے سے بھی رنگِ وفاؔ
جما ہی نہیں صحبتِ یار میں

□□□

○

مقتول کا ہے خوں جہاں خنجر کے آس پاس
قاتل کا بھی سراغ ہے اُس در کے آس پاس

کچھ لوگ ہیں سراب سے محتاط اس قدر
پیاسے بھٹک رہے ہیں سمندر کے آس پاس

بے جان سی ہوائیں بھی لگتی ہیں جھومنے
جب شعلے ناچتے ہیں کسی گھر کے آس پاس

میں ٹوٹ کر بکھرنے لگا ہوں خلاؤں میں
مجھ کو تلاش کر مہ و اختر کے آس پاس

میرا وجود میرے مقابل میں کچھ نہیں
مٹی کا اک حصار ہے پتھر کے آس پاس

بجھتے ہی لَو چراغ کی جانے کدھر گیا
اک سایہ تھا کھڑا مرے پیکر کے آس پاس

□□□

○

موت سے پہلے مرگیا ہوگا
اپنی نظروں سے جو گرا ہوگا

گر کے بکھرا ہے جو سلیقے سے
عہدِ ماضی کا آئینہ ہوگا

جس طرف جایئے گماں گزرے
حادثہ ہو چکا ہے یا ہوگا

میرے ہونٹوں پہ کیوں ہنسی آئی
پوچھتے ہو تو سوچنا ہوگا

تھا مسافر شکارِ بے سمتی
کون جانے کدھر گیا ہوگا

نیند میں بھی تھکا ہوا مزدور
خواب محنت کا بُن رہا ہوگا

جا رہا ہے جو آج کاندھوں پر
پا پیادہ بہت چلا ہوگا

□□□

○

شیوۂ ناز تو خاروں کی چبھن رکھتا ہے
ہائے احساس کہ پھولوں سا بدن رکھتا ہے

کتنا دل کا ہے طرف دار غمِ جاناں بھی
میرے ہونٹوں پہ تبسم کی کرن رکھتا ہے

کاش یہ بات تخیل کی سمجھ میں آئے
در بدر گھومنے والا بھی وطن رکھتا ہے

کتنا محتاط ہے وہ رسمِ شناسائی سے
اپنی پہچان کے ماتھے پہ شکن رکھتا ہے

جانے کیا سوچ کے ساحل نے کہا موجوں سے
ڈوبنے والا ابھرنے کا بھی فن رکھتا ہے

اب حقائق سے پریشاں ہیں بہت خواب و خیال
اب تصور کا بھی ماحول گھٹن رکھتا ہے

میں ابھی راہِ سفر میں ہوں مجھے دے جائے
میرے حصّے کی اگر کوئی تھکن رکھتا ہے

لوگ ہی پردہ دری کے ہیں تمنائی وفاؔ
غم تو ہر حال میں پردے کا چلن رکھتا ہے

□□□

○

شعلوں کا رقص جانے کہاں اک سوال تھا
تا دیر جنگلوں میں دھواں اک سوال تھا

راہِ سفر میں گاؤں کا منظر پھسل گیا
آنکھوں کے دائرے میں مکاں اک سوال تھا

تنہائیاں سمیٹ کے جاتا کہاں کہاں
قدموں کے ساتھ ساتھ نشاں اک سوال تھا

ترکِ تعلقات نبھانے کے باوجود
سطحِ یقیں کے گرد گماں اک سوال تھا

دیتی رہیں صدائیں مجھے شورشیں مگر
خاموشیوں کا حسنِ بیاں اک سوال تھا

اچھا ہوا جنوں کی پناہوں میں آ گیا
فرزانگی میں رشتۂ جاں اک سوال تھا

□□□

○

سورج کی تمازت سے جو اشجار جلے ہیں
آغوش میں ان کی ہی گھنے سائے پلے ہیں

حیرت نہ کرو ہم پہ اے آسودۂ منزل!
کچھ سوچ سمجھ کر ہی تو منزل سے چلے ہیں

چھیڑو نہ انہیں ورنہ بکھر جائیں گے ہر سو
تھوڑے سے اندھیرے جو چراغوں کے تلے ہیں

ہو جائیں نہ میلے یہ چمکتے ہوئے قطرے
دامن میں چھپالو کہ یہ پلکوں میں پلے ہیں

تم سمت بھی معلوم نہ کر پائے ابھی تک
ہم کب سے دیا بن کے سرِ راہ جلے ہیں

گلشن کی رگ و پئے ہی میں محدود نہیں ہم
صحرا کی صداؤں میں بھی ہم لوگ ڈھلے ہیں

□□□

○

ہم دھوپ میں جو صورتِ اشجار کھڑے ہیں
کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ بے کار کھڑے ہیں

دیوانوں کی صف میں کئی ہشیار کھڑے ہیں
معلوم نہیں ان کو سرِ دار کھڑے ہیں

آواز کسے دیں بھی حقیقت کی فصیلیں
تاحدِ نظر خواب کے معمار کھڑے ہیں

کوچے میں ہی قیمت کی حدیں ٹوٹ رہی ہیں
کچھ مول نہیں جو سرِ بازار کھڑے ہیں

کیا حسنِ اثر کہیے دوا اور دعا کا
بالیں پہ مسیحاؤں کی بیمار کھڑے ہیں

پھولوں کی تمنّا میں کہاں آگئے ہم بھی
ہر موڑ پہ کانٹوں کے طرف دار کھڑے ہیں

□□□

○

راستے میں صفِ اشجار بھلی لگتی ہے
دھوپ میں سائے کی دیوار بھلی لگتی ہے

چاہے آساں ہو یا دشوار بھلی لگتی ہے
زیست ہے زیست مرے یار، بھلی لگتی ہے

حسن پر شرم کی یلغار بھلی لگتی ہے
پھول پر پھول کی بوچھار بھلی لگتی ہے

وقتِ شب کرتی ہے جب یورشیں ساون کی جھڑی
بند دروازے پہ بوچھار بھلی لگتی ہے

میری تقصیر پہ فوراً ہی چمک اٹھتی ہے
مجھ کو احساس کی تلوار بھلی لگتی ہے

شہر سے دور کسی گاؤں میں بچوں سے گھری
چھاؤں میں ٹھہری ہوئی کار بھلی لگتی ہے

ہوتی جاتی ہے صدا جس کی بتدریج بلند
ایسی زنجیر کی جھنکار بھلی لگتی ہے

□□□

○

مدھم سی روشنی کی بھی قندیل پھوڑ جاؤ
رشتہ مرا اٹوٹ شبِ غم سے جوڑ جاؤ

میں فاصلوں کے دار پہ کب تک کھڑا رہوں
آؤ مری حیات کی نس نس نچوڑ جاؤ

ہونے لگے ہیں چرچے مرے انتظار کے
ممکن اگر ہو رشتۂ امید توڑ جاؤ

مجھ کو صدائیں دے بھی اگر میری زندگی
لوٹوں نہ میں کبھی مجھے اس سمت چھوڑ جاؤ

اب ہو چکی تمام کناروں کی آرزو
منجدھار کی طرف ہی مری ناؤ موڑ جاؤ

وہ نیند ہے کہ کھلتی نہیں آنکھ ہی مری
جاگ اٹّھے انگ انگ کچھ ایسے جھنجھوڑ جاؤ

میں نے کہا نہ تھا کہ نہ عہدِ وفاؔ کرو
دشوار ہے یہ کام اسے مجھ پہ چھوڑ جاؤ

□□□

○

کیسے کوئی کشتی لبِ دریا نظر آئے
بہتا ہوا جب خود ہی کنارا نظر آئے

ہر لمحہ مجھے بھیڑ میں کھویا نظر آئے
یہ ذہن بظاہر جو اکیلا نظر آئے

ہے بات بصیرت کی بصارت پہ نہ جاؤ
قطرے میں اگر ڈوبتا دریا نظر آئے

ٹھہرے تو کہاں ٹھہرے سماعت کی سواری
ہر سمت صداؤں کا بسیرا نظر آئے

اب اذنِ سفر دو بھی ہمیں زیست کی منزل
کچھ تم سے بھی آگے کا تماشا نظر آئے

لے ذوقِ سفر ہوگئی تکمیلِ تمنّا
منزل کسی منزل ہی کا رستہ نظر آئے

دیکھو تو لگے آنکھ کسی پھول کی مانند
جھانکو جو بغور وسعتِ صحرا نظر آئے

□□□

○

ناز کیوں شیشہ گری پر پتھروں کے شہر میں
تیرے فن کا مول ہی کیا آذروں کے شہر میں

روئیں اب سنسان راہوں سے لپٹ کر راہزن
لٹ گئے سارے مسافر رہبروں کے شہر میں

خالی ہاتھوں کے نگر میں ہر نشاں موجود ہے
خون کے دھبّے نہ ڈھونڈو خنجروں کے شہر میں

بے یقینی نے اُٹھا دی ہر طرف دیوار سی
گرچہ آنکھوں پر یقیں تھا منظروں کے شہر میں

اوڑھ لو وقتِ سفر مانوس چہروں کی ردا
اجنبی نظریں چبھیں گی دوسروں کے شہر میں

تیز رو ہونے لگے ہیں کم نگاہی کے شکار
تیزگامی سرنگوں ہے ٹھوکروں کے شہر میں

□□□

○

تم نے جسے دریا کہا، ہم نے اُسے قطرہ کہا
تم نے جو دیکھا تھا کہا، ہم نے جو پرکھا تھا کہا

رسمِ تعلق کے لیے اہلِ خرد نے کیا کیا
ہم نے تو وحشت کی قسم گلشن کو بھی صحرا کہا

رہ کر کسی کے شہر میں پہچان کھوتے کیوں بھلا
اپنے وطن کی خاک تھی بے ساختہ سونا کہا

جب تک رہے خاموش تو احساس تک لوٹا گیا
پتھر اٹھائے ہم نے جب، لوگوں نے دیوانہ کہا

ہم بازگشتِ دہر تھے ہم سے خفا کیوں ہوگئے
ہم نے کہاں ترمیم کی جیسا سنا ویسا کہا

کچھ اور ہم کہتے بھی کیا کہنا مناسب بھی نہ تھا
اچھوں کی صحبت میں ملے ہم نے تمہیں اچھا کہا

سن کر وفاؔ کی گفتگو تم تو بہت برہم ہوئے
تم ہی کہو ایمان سے ایسا بھی ہم نے کیا کہا

□□□

○

جانے کیا سوچ کے وہ مجھ سے ملا تھا اک دن
جانے کیوں اُس نے مجھے اپنا کہا تھا اک دن

جانے کیوں ایک بیک چیخ پڑی تھیں آنکھیں
جانے کیا خواب تصوّر نے بُنا تھا اک دن

ہوش نے بھی دِلِ وحشی کی وکالت کی تھی
اس کی سرکار میں ایسا بھی ہوا تھا اک دن

کتنے افسانے مری ذات سے منسوب ہوئے
کتنے افسانوں کا عنوان بنا تھا اک دن

وقتِ رخصت بھی تبسم تھا مرے ہونٹوں پر
ڈوبتے دل نے بڑا کام کیا تھا اک دن

کتنی حسرت سے وفاؔ میں نے اُسے دیکھا تھا
بھیڑ تھی پھر بھی اکیلا وہ کھڑا تھا اک دن

□□□

○

کوئی دیوار نہ در باقی ہے
چلتے رہیے کہ سفر باقی ہے

دھوپ ہر راہ میں استادہ ہے
کوئی سایہ نہ شجر باقی ہے

اپنی بیساکھیاں کھونے والو!
دور تک راہ گذر باقی ہے

اُڑتے رہنا ہے پرندوں کو ابھی
آشیانوں میں شرر باقی ہے

کوئی خطرہ نہ سہی، امن سہی
دل کے ہر گوشے میں ڈر باقی ہے

کیسے موسم نے چھوا پیڑوں کو
گل نہ پتا نہ ثمر باقی ہے

سب کی پہچان کوئی بات نہیں
اپنی پہچان اگر باقی ہے

□□□

○

پیش رو کی خبر نہیں آتی
اُڑ کے گردِ سفر نہیں آتی

جینے والے نظر تو آتے ہیں
زندگی اب نظر نہیں آتی

وہ کسی اور کے نہ سر جائے
جو بلا میرے سر نہیں آتی

مجھ کو بھی اذنِ لب کشائی ہے
میری باری مگر نہیں آتی

اب نہیں آئے گا وحید عرشیؔ
بوئے گل لوٹ کر نہیں آتی

□□□

۱؎ میرے مرحوم دوست

○

الفاظ و معانی کا بدل کہتے رہیں گے
شعروں میں تجھے حسنِ غزل کہتے رہیں گے

کر جائیں گے ہم تجھ پہ نظر شاہجہاں کی
سب لوگ تجھے تاج محل کہتے رہیں گے

ہر درد کا رکھ لیں گے بھرم حسنِ بیاں سے
ہر زخم کو شاداب کنول کہتے رہیں گے

گزریں گے ترے ہجر میں غالبؔ کے سخن سے
خلوت کو بھی جلوت کا بدل کہتے رہیں گے

اوصاف ہی ایسے ہیں کہ تعریف میں تیری
صدیاں بھی گزر جائیں تو پل کہتے رہیں گے

لینگے تری سرکار سے ہم داد تبسّم
اشکوں کو تصور کا خلل کہتے رہیں گے

دانا سہی مقتل کی بنا ڈالنے والے
ہم اونگھتے ذہنوں کا عمل کہتے رہیں گے

تاریخ کے اوراق نہیں بھولنے والے
جو آج سنیں گے وہی کل کہتے رہیں گے

□□□

○

کیا چاہتے ہیں آپ سے رشتہ نہیں رہے
اس دل میں اب کوئی بھی تمنا نہیں رہے

منظور ہے فراق، مگر یہ سوال کیا
آنکھوں میں انتظار کا سایہ نہیں رہے

کیا آپ کی نظر میں یہی نا خدائی ہے
کشتی رہے بھنور میں، کنارا نہیں رہے

ایسا بھی کیا کہ آپ یہی آرزو کریں
جلتا رہے چراغ، اجالا نہیں رہے

اچھا یہ فیصلہ ہے تصور کا آپ کے
تنہائی میں بھی کوئی اکیلا نہیں رہے

□□□

○

وہی رنگ و بو کی ہے داستاں تری گل پرست نگاہ میں
لکھی ہر قدم پہ جو خار نے مرے خوں سے دشت کی راہ میں

تو اگر ملے تو پتہ ملے مری زیست کا، مری ذات کا
مرا ناتمام وجود ہے تری جستجو کی پناہ میں

مرا فیصلہ مرے حق میں ہو سرِ حشر مالکِ دو جہاں
نہ بھی جس سے میری نہ عمر بھر وہی زندگی ہے گواہ میں

وہ سراغ ہے تری ذات کا، ترے اختیار کا شان کا
تری مصلحت جو چھپی ہوئی نظر آئی میری کراہ میں

مرے آشنا کی بھی زندگی مرے انتظار میں کٹ گئی
مری زندگی بھی گزر گئی کسی اجنبی سے نباہ میں

□□□

○

جو لوگ برے ہیں اُن کو بھلا کہنے میں تو دِقّت ہوتی ہے
اچّھوں کو بھی اچّھا کہنے میں لوگوں کو قباحت ہوتی ہے

ہر تنگ نظر کے چہرے پر اک دھول سی اڑتی رہتی ہے
بے وجہ کی نفرت سے ظاہر خود اپنی حقیقت ہوتی ہے

بے صرفہ تو کوئی چیز نہیں انسان تو پھر بھی انساں ہے
بے کار اگر ہے آج کوئی کل اس کی ضرورت ہوتی ہے

ناداروں کے صبر و قناعت کا معمولی کرشمہ کہہ لیجے
زرداروں کے محلوں سے زیادہ کٹیوں میں مسرت ہوتی ہے

یوں تو بہتیرے سودائی دیدار کی حسرت رکھتے ہیں
قسمت سے مگر دیوانوں کو صحرا کی زیارت ہوتی ہے

ہر بیش بہا شے رہتی ہے پردے میں ہی اکثر پوشیدہ
گر دیدۂ بینا سے دیکھیں سیرت میں ہی صورت ہوتی ہے

اب رام کو ہر سیتا خاطر چودیس نظر رکھنی ہوگی
گاہے گہے لنکا سے بھی پرے راون کی حکومت ہوتی ہے

تکمیلِ وفاؔ کرنے کے لیے خاموش ہی رہنا پڑتا ہے
اظہارِ وفا کرنے کے لیے لفظوں کی ضرورت ہوتی ہے

□□□

○

مجھ کو تیرے عیب میں ہنر کی ہے تلاش
کیوں کہ تیرے عیب کو نظر کی ہے تلاش

میرے ہی پسینے رولتے ہیں موتیاں
اپنے خون میں ہی مال و زر کی ہے تلاش

جس زمیں پہ بزرگوں کی تھیں عمارتیں
اس زمین پر ہی مجھ کو گھر کی ہے تلاش

میرے پاس آنے کا خیال ہے تو آ
ایک جا مجھے بھی خیر و شر کی ہے تلاش

اپنی جیت ہار کا غرور ہو نہ غم
مجھ کو ایسے ہی کسی بشر کی ہے تلاش

کیا طلسمِ، باہمی تعلقات ہے
رہ گذر کی دھوپ کو شجر کی ہے تلاش

سنگِ در کے بو سے لیتی رہتی ہے جبیں
چومے جو جبیں کو ایسے در کی ہے تلاش

دشتِ بے اماں میں ہی اماں میں ہوں وفاؔ
کون کہتا ہے درِ دگر کی ہے تلاش

□□□

○

سبھی تو حلقۂ دیوار و در میں رہتے ہیں
گھروں کو پھونکنے والے بھی گھر میں رہتے ہیں

نہ کھولو جھانکتی چنگاریوں کے دروازے
لپکتے شعلے بھی اکثر شرر میں رہتے ہیں

ہوا رکی تو اُسی لمحہ رک گئے ورنہ
بچھڑ کے شاخ سے پتے سفر میں رہتے ہیں

نہ اپنی راہیں نہ سمتیں بھٹکنے والوں کی
جہاں بھی جائیں تمہاری نظر میں رہتے ہیں

وہاں کی بات چلی تو ضمیر کانپ اٹھا
جہاں کے لوگ پرائے اثر میں رہتے ہیں

ہماری ذات سے جن کے دلوں کو چوٹ لگی
وہ درد بھی تو ہمارے جگر میں رہتے ہیں

اُنہیں اٹھانے کا مقصد الگ الگ ہے وفاؔ
وہ سنگ ریزے جو ہر رہ گذر میں رہتے ہیں

□□□

○

جو پوری ہو نہ سکے وہ کمی نہیں مانگی
کسی سے یار! تری بے رخی نہیں مانگی

حسین ہی کی طرح خیمۂ خدا میں رہا
یزید وقت کی ہم سائیگی نہیں مانگی

بلا قصور سزا کو گلے لگایا ہے
بلا قصور معافی کبھی نہیں مانگی

قریب دل کے پھٹکنے دیا نہ آنکھوں کو
زمین خشک تھی لیکن نمی نہیں مانگی

عطا سبھی کو شعورِ طلب کیا تو نے
کسی نے میری طرح بندگی نہیں مانگی

مری تھکن بھی مری طرح سخت جاں نکلی
کسی درخت سے چھاؤں گھنی نہیں مانگی

□□□

○

اتنی دور نہ جائیں کہ تھک کر لوٹیں
اپنے شہر میں گھومیں اپنے گھر لوٹیں

باہر کی ہر چیز پرائی ہوتی ہے
اپنی آنکھوں میں لے کر منظر لوٹیں

جُگ جُگ سے ہے دنیا کا دستور یہی
کچھ دینے جائیں تو کچھ لے کر لوٹیں

تعبیروں کے شہر میں عریانی سی ہے
اوڑھ کے اپنے خوابوں کی چادر لوٹیں

حرف نہ آئے رستے کی دشواری پر
نکلے ہیں تو منزل تک جا کر لوٹیں

شہرِ وفاؔ اب سناٹوں کی بستی ہے
لے کر بیتی یادوں کا دفتر لوٹیں

□□□

○

چھین کر مجھ سے زمین و آسماں لے جائے گا
اب کہاں تک اُس کو یہ وہم و گماں لے جائے گا

جانتا ہوں رہنما بن کر کہاں لے جائے گا
میں جہاں سے لوٹ آیا ہوں وہاں لے جائے گا

میری منزل کو نہ مل پائے گی میری خاکِ پا
راستہ سب میرے قدموں کے نشاں لے جائے گا

بے نشانہ کر رہا ہے اپنے تیروں کو رہا
ایسا لگتا ہے کہ گھر خالی کماں لے جائے گا

چھاؤں میں رکھے گا اوروں سے نہ کوئی واسطہ
دھوپ میں لیکن سبھی کے سائباں لے جائے گا

آگ جب تک اونچے محلوں تک نہیں جاتی وفاؔ
ہر خبر جلتے مکانوں کی دھواں لے جائے گا

□□□

○

سوکھے پیڑ تلے سستا کر کیا کرتا
دھبّہ دھبّہ چھاؤں میں جا کر کیا کرتا

کوئی نہیں تھا جب گھر میں آنے والا
ہر آہٹ پر کان لگا کر کیا کرتا

مجھ میں دنیا تھی یا میں دنیا میں تھا
ثابت کرکے یا جھٹلا کر کیا کرتا

ہر دفتر میں رنگیں کاغذ کی تھی مانگ
میں اپنے اسناد دکھا کر کیا کرتا

سب بہرے تھے میں بھی گونگا بن بیٹھا
لفظوں کا انبار لگا کر کیا کرتا

شعلوں کی یلغار تھی پوری بستی پر
اپنے گھر کی آگ بجھا کر کیا کرتا

دیکھ لیا تھا میں نے منصف کا چہرہ
قاتل کی پہچان بتا کر کیا کرتا

سچائی ہر آن وفاؔ کے آگے تھی
خوابوں کی دیوار اٹھا کر کیا کرتا

□□□

○

راستہ بھی منتظر ہے، رہروی کا بھی ہے شوق
اس کو کیا کیجے کہ مجھ کو گم رہی کا بھی ہے شوق

دل کی دیواروں میں کوئی در نظر آتا نہیں
میرے ارمانوں کو شاید پر دگی کا بھی ہے شوق

آپ کے پہلو میں نازک دل نہیں تو کیا ہوا
سنگ ہی دیجے کہ مجھ کو بت گری کا بھی ہے شوق

بستیوں کو ہی بنا لیتے ہیں دشتِ بے اماں
اہلِ عقل و ہوش کو دیوانگی کا بھی ہے شوق

ہر ادا کے ساتھ رکھیں روٹھنے کی بھی ادا
دیکھیے مجھ کو پرانی شاعری کا بھی ہے شوق

آپ رکھتے ہیں تو رکھیں شوخیاں زیرِ نقاب
میری نظروں کو مگر آوارگی کا بھی ہے شوق

گاہے گاہے مجھ کو یہ احساس ہوتا ہے وفاؔ
میرے پیارے دوستوں کو دوستی کا بھی ہے شوق

□□□

○

آندھیاں تیز تر ہوگئیں
بستیاں ننگے سر ہوگئیں

کوئی منظر بھیانک نہیں
اب تو آنکھیں نڈر ہوگئیں

ہیں ہماری کتابیں وہی
داستانیں دگر ہوگئیں

برف شعلے اگلنے لگی
وادیاں پُر خطر ہوگئیں

دیکھ کر جذبۂ رہ روی
منزلیں ہم سفر ہوگئیں

لب کشائی پہ تھیں بندشیں
ساری باتیں مگر ہوگئیں

ان کا مسکن جدھر ہے وفاؔ
ساری سمتیں اُدھر ہوگئیں

□□□

○

ہر لمحہ سر پہ دھوپ غموں کی کڑی ہوئی
بھولے سے بھی نہ دل کو میسر خوشی ہوئی

کیا جانے کیوں اداس غمِ دل لگا مجھے
خاطر تواضع میں تو نہ کچھ بھی کمی ہوئی

اُس کی ادا سے آشنا کوئی نہیں ہوا
کچھ دل ہی جانتا ہے کہ کیا ساحری ہوئی

جاں پر کئی طرف سے مصائب کی مار تھی
اک ناؤ کاغذی تھی بھنور میں پھنسی ہوئی

دیکھا خزاں نے آتے ہی اجڑا ہوا چمن
کوئی نشانی تھی نہ بہاروں کی دی ہوئی

میرے قلم نے شعر تو لکھے بہت وفاؔ
نظرِ سخن وراں میں کہاں شاعری ہوئی

□□□

○

تم آنسو اپنی پلکوں میں چھپالو
مرے زخموں کو رِسنے سے بچالو

مرے سینے سے نکلیں گے شرارے
کوئی پتھر مری جانب اچھالو

دیا ہر سو جلانا چاہتا ہوں
ہواؤ! دوش پر مجھ کو بٹھالو

کسی کو چھوڑ کر جانا نہیں ہے
جو خوابیدہ ہیں ان کو بھی جگالو

مری نرمی بہت ممنون ہوگی
اگر اپنی طرف مجھ کو جھکالو

کہاں تک ٹھوکروں کی راہ دیکھوں
مجھے گرنے سے پہلے ہی سنبھالو

لبوں پر آج دل کی بات بھی ہے
مری ہر بات کو ہنس کر نہ ٹالو

قفس کی تیلیاں بکھری پڑی ہیں
برائے آشیاں ان کو اٹھالو

وفاؔ یہ ٹھہرنے کی جا نہیں ہے
یہاں سے راہ منزل کی نکالو

□□□

○

اربابِ دستور کے ہاتھوں یہ کیسی ترمیم ہوئی
محنت والوں کی مزدوری اوروں میں تقسیم ہوئی

خوشبو کے سب شیدائی تھے لیکن اِس کو کیا کیجے
پھولوں کا موسم آیا تو خاروں کی تعظیم ہوئی

تھے اہلِ اسناد بزرگوں کی صحبت سے بے بہرہ
تربیت کے آگے شرمندہ ان کی تعلیم ہوئی

جب تک ایک تھا کہنے والا سب سننے والے تھے ایک
سب کہنے پر آئے تو درہم برہم تنظیم ہوئی

جیسی بھی تھی بات وفاؔ لیکن تھی اونچے لوگوں کی
محفل میں تکرار بڑھی تنہائی میں تسلیم ہوئی

□□□

○

کرمکِ شب تابِ غم تاریکیِ دل میں تو ہے
قطرۂ آبِ نمو سوکھی ہوئی گِل میں تو ہے

کیا نہیں عکسِ ظفر آئینۂ تکمیل میں؟
گردِ پائے جستجو دامانِ منزل میں تو ہے

وہ صفِ اول میں ہو یا وہ صفِ آخر میں ہو
کوئی جا میرے لیے بھی تیری محفل میں تو ہے

رقص کرتے ہیں دِوانے بیڑیوں کے ساز پر
نغمگی، موسیقیت شورِ سلاسل میں تو ہے

کیا ضروری ہے کہ خنجر ہی کرے قصہ تمام
حربۂ ناز و ادا بھی دستِ قاتل میں تو ہے

ٹوٹ پڑتے ہیں کنارے بھی سفینوں پر وفاؔ
خوئے امواجِ ہلاکت خیز ساحل میں تو ہے

□□□

○

شریک تھا ہی نہیں جو حسین منظر میں
الجھ کے رہ گئیں آنکھیں اُسی کے پیکر میں

ٹپک رہا ہے زمیں پر بڑے سلیقے سے
لگا ہے خونِ طرح دار کس کے خنجر میں

قدم قدم پہ محافظ کی کیا ضرورت ہے
سفینہ ڈوب نہ جائے الجھ کے لنگر میں

ردا ہے جھوٹ کی اجلی بھی، خوبصورت بھی
لگے ہیں سینکڑوں پیوند سچ کی چادر میں

چلو اسے بھی ذرا دُور ہی سے دیکھ آئیں
زیارتیں ہی لکھی ہیں مرے مقدر میں

ابھی تمہارے لیے آبِ جو ہی کافی ہے
نہ تیرنے کی تمنّا کرو سمندر میں

□□□

○

اے خدا! جُگ جُگ سے آیا ہوں خدا کہتے ہوئے
میں گزاروں زندگانی اور کیا کہتے ہوئے

ترکِ الفت پر تجھے بھی ہے پشیمانی بہت
شرم آتی ہے مجھے بھی بے وفا کہتے ہوئے

اس کے چہرے کا تغیر میں نے دیکھا ہی نہیں
جھک گئی تھیں میری آنکھیں مدعا کہتے ہوئے

تشنگی میں ناگہاں ٹھوکر لبِ دریا لگی
اُڑ گئے پیاسے پرندے جانے کیا کہتے ہوئے

انتخابی دور ہے گزریں گے کتنے ہی جلوس
جھوٹ کو سچ اور اچھوں کو برا کہتے ہوئے

□□□

○

بعد از پرواز کچھ مڑ کر نہ دیکھ
تیز کر رفتار بال و پر نہ دیکھ

دوریِ منزل کو ہر لمحہ سمیٹ
راستے میں میل کا پتھر نہ دیکھ

اس زمیں سے بھی نکل سکتا ہے چاند
آسماں کی سمت رہ رہ کر نہ دیکھ

جا نہ دیوارِ شکستہ کے قریب
یوں کھنڈر کے ٹوٹتے پتھر نہ دیکھ

چھیڑ تاروں کو اسی انداز میں
ساز کا بدلا ہوا تیور نہ دیکھ

ناگہاں موسم بدلتا ہے یہاں
یوں ٹھٹک کر شہر کا منظر نہ دیکھ

زخم ہی جب طالبِ مرہم نہیں
بے ضرورت راہِ بخیہ گر نہ دیکھ

سنگ باری کو بڑھے شیشے کے ہاتھ
پتھروں کو سرخ رو کر، سر نہ دیکھ

ان دنوں بہروپیوں کا زور ہے
ہر کس و ناکس کی چشمِ تر نہ دیکھ

□□□

○

درد آشنا ڈھونڈا نہ کر
دل کو عبث رسوا نہ کر

اپنا ہے تو ہشیار رہ
ہے غیر تو پروا نہ کر

تدبیر کا لے جائزہ
تقدیر کا شکوہ نہ کر

مرجائے گا ظرفِ سخن
تخلیق کا سودا نہ کر

ہے محرمِ انسانیت
سچائی سے پردہ نہ کر

قد کر سکے اونچا تو کر
چھوٹا بڑا سایہ نہ کر

چھوکر امانت غیر کی
دستِ ہنر میلا نہ کر

اپنے بھی ہوں گے بد گماں
دشمن عبث پیدا نہ کر

صحرا ہے یہ گلشن نہیں
شوقِ گل و لالہ نہ کر

جو ہو گیا پردے میں گم
وہ عیب بے پردہ نہ کر

ہو جائے گی منزل خفا
ہر راہ کو چھیڑا نہ کر

حاضر ہے خونِ دل وفاؔ
رنگِ حنا پھیکا نہ کر

○

تجربہ کہتا ہے یہ حادثہ ٹلنے کا نہیں
آئینہ اب ترے ہاتھوں میں سنبھلنے کا نہیں

سب کے سب سوگئے پہلو میں ہمیشہ کے لیے
کوئی ارمان مرے دل سے نکلنے کا نہیں

چاندنی رات میں ہی وصل کا اقرار نہ کر
اتنی عجلت میں کوئی چاند نکلنے کا نہیں

دل کو ہی معرکۂ تیرگی سر کرنا ہے
ہیں بہت تیز ہوائیں دیا جلنے کا نہیں

فکر کی آگ بناتی ہے اسے موم صفت
حکم کی دھوپ میں پتھر تو پگھلنے کا نہیں

آندھیاں مجھ کو سکھاتی ہیں فنِ راہ روی
ذرۂ خاک ہوں راہوں میں پھسلنے کا نہیں

پار ہونا ہے تو سامان مکمل کرلے
کام ٹوٹے ہوئے پتوار سے چلنے کا نہیں

بھیج تصویر نہ تحریر نہ تحفہ نہ پیام
دلِ بے تاب کھلونوں سے بہلنے کا نہیں

اپنے حق کے لیے لڑنا ہی پڑے گا مجھ کو
پاسداری سے مرا کام نکلنے کا نہیں

□□□

○

بنا ہوا ہے مسیحا وہی جو قاتل ہے
مزید یہ کہ وہی منصفوں میں شامل ہے

ہنوز ہو نہ سکا سہل کام بھی تم سے
سمجھتے ہو بہت آساں یہی تو مشکل ہے

بھنور، بھنور نہ رہے تُو اگر نظر آئے
مرے لیے تری موجودگی ہی ساحل ہے

سفر میں ایسے بہت سے مقام آتے ہیں
جسے سمجھتے ہو منزل فریبِ منزل ہے

میانِ دل کی مسافت کا تذکرہ ہے بہت
یہ فاصلہ تو مرے روندنے کے قابل ہے

مضائقہ نہیں گر وا درِ سماعت ہے
زبان بند رہے مخبروں کی محفل ہے

ہوائیں ریت سے بنتی ہیں پردۂ لیلیٰ
بنامِ قیس بیاباں میں نظمِ محمل ہے

وفاؔ وہی ہے طویل انتظار کا ثمرہ
برا بھلا نہ کہو جو مرے مقابل ہے

□□□

○

دل خس و خاشاک تو پہلے سے ہے
ہر تمنا خاک تو پہلے سے ہے

اور کیا کرنا ہے دشتِ خار میں
دامنِ صد چاک تو پہلے سے ہے

میری مٹی تو رہے گی رقص میں
محوِ گردش چاک تو پہلے سے ہے

بہرِ گوہر کیا سمندر کی تلاش
دیدۂ نم ناک تو پہلے سے ہے

موت سے پہلے ہوئی جلوہ فروز
زندگی چالاک تو پہلے سے ہے

کیوں کسی در کو کروں بوس و کنار
صاحبِ لولاک تو پہلے سے ہے

باطنی پردہ بھی لازم ہے وفاؔ
ظاہری پوشاک تو پہلے سے ہے

□□□

○

قائم کوئی رائے نہ کرنا ہم دونوں کے بارے میں
دوری یکساں کب رہتی ہے کشتی اور کنارے میں

نینوں کی بھاشا پڑھ لینا سب کے بس کا روگ نہیں
کتنی ہی باتیں پنہاں رہتی ہیں ایک اشارے میں

تاج، حکومت جاہ و منصب پل میں خاکستر ہو جائیں
وہ شعلے پنہاں رہتے ہیں ضد کے ایک شرارے میں

دیکھ رہی ہیں آنکھیں قربت کا یہ ادنیٰ سا منظر
خوابیدہ ہے دھول چمن کی پھولوں کے گہوارے میں

دل کے ہر پرچے میں سیاہ لکیریں کیا پڑھتے رہنا
روشن چاند ستارے ٹانکے جائیں کوئی شمارے میں

جنگ انا تم جیت گئے، میں ہار گیا آسانی سے
آؤ اب سوچیں کہ ہم میں سے ہے کون خسارے میں

اس دورِ آمیزش میں اب خالص کوئی چیز نہیں
آنسو کے قطرے بھی ہوں گے خوشیوں کے فوارے میں

اُس نے کبھی مسمار کیا تھا دلِ وفاؔ کا تاج محل
بکھرے ہیں کنکر پتھر اب تک اس کے گلیارے میں

□□□

○

دل کو ترے حوالے کیا شاد ہوگیا
سب کچھ تجھی پہ وار کے آزاد ہوگیا

بڑھ کر گلا جو خنجرِ قاتل پہ رکھ دیا
میں ہی نگاہِ عام میں جلّاد ہوگیا

تاریخ و ماہ اُس نے زبانی بتائے تھے
دیدار کا سبق تھا مجھے یاد ہوگیا

لوح و قلم نے اُس کو حفاظت میں لے لیا
میری زباں سے حرف جو ارشاد ہوگیا

جس نے قدم نہ رکھا کبھی کوہسار میں
جانے وہ کس دیار میں فرہاد ہوگیا

ہجرت نہ راس آئی کبھی آئی بھی وفاؔ
برباد ہوگیا کبھی آباد ہوگیا

□□□

○

بیابان تبدیل ہو تو عجب کیا
رواں ریت پر جھیل ہو تو عجب کیا

کسی جلتے گھر کے دھوئیں کا بگولا
مکانوں میں تحلیل ہو تو عجب کیا

نظر آرہا ہے جو روشن غبارہ
دھماکے کی قندیل ہو تو عجب کیا

جہاں امن کا فاختہ جاں بلب ہو
وہاں منتظر چیل ہو تو عجب کیا

وفاؔ دیکھ کر لشکرِ ابرہہ پھر
ظہورِ ابابیل ہو تو عجب کیا

□□□

○

کیا کیا سوال ہوگا، کیا کیا جواب ہوگا
پہلے سے جب یہ طے ہے کیا بے نقاب ہوگا

دے دی ہے عام منہ میں اُس نے زبان اپنی
ہر لفظ اُس کا اپنا ہی انتخاب ہوگا

محتاط حد سے زیادہ رہنے میں ہے خسارہ
تشنہ لبی بڑھے گی، دریا سراب ہوگا

صحنِ چمن سے باہر کیوں پھیلتی ہے خوشبو
اک دن اسی بنا پر مجرم گلاب ہوگا

ہم زندگی سے ہر پل یاری نبھا رہے تھے
کس کو خبر تھی اک دن جینا عذاب ہوگا

گھر لٹ چکا ہے، لیکن گھر کی زمیں بچی ہے
پھر اس کھنڈر پہ اک دن نازل عتاب ہوگا

□□□

○

سرِ شام غنچے چٹکتے بہت ہیں
اندھیرے میں بھونرے بھٹکتے بہت ہیں

غریبی میں کپڑے مسکتے بہت ہیں
رفو کے ستارے دمکتے بہت ہیں

جو روتا ہے یہ آسماں مختصر بھی
مری چھت کے آنسو ٹپکتے بہت ہیں

اکیلا مکیں ہے کرے بات کس سے
پرندے ہی گھر میں چہکتے بہت ہیں

نہ ہو جائیں داخل حصارِ جنوں میں
خیالاتِ برہم بہکتے بہت ہیں

نہ ہو محو آرائشِ ظاہری پر
جو ہوتے ہیں نقلی چمکتے بہت ہیں

چھپا کر کہاں تک رکھو گے غمِ دل
یہ وہ پھول ہیں جو مہکتے بہت ہیں

وفاؔ روشنی لازمی ہے سفر میں
اندھیروں کے سائے لپکتے بہت ہیں

□□□

○

کون کہتا ہے کہ گلشن کی سیادت دے دے
میرے حصے میں کسی گل کی رفاقت دے دے

یوں تو ہر سمت ہیں بکھری ہوئی اشیائے نفیس
ان میں میرے لیے جو بھی ہو غنیمت دے دے

تیری تدبیر سے دل میرا بہل سکتا ہے
کوئی ترکیب بتا دے، کوئی صورت دے دے

عام اظہارِ صداقت کو مجھے کرنا ہے
صدق احوال رقم کرنے کی جرأت دے دے

گھوم کر چاروں طرف دیکھ لیا رنگِ جہاں
اب ان آنکھوں کو درِجاں کی زیارت دے دے

خاک کا بوجھ لیے پھرتا ہوں قریہ قریہ
سر سے یہ بار اٹھا لے، مجھے فرصت دے دے

اُس نے انجام کو بے گانہ بنا رکھا ہے
اُس کو ڈھلتے ہوئے سورج کی رفاقت دے دے

اُس کی باتوں میں بہر حال یہ آجاتا ہے
دِل نادان وفاؔ کو بھی ذہانت دے دے

□□□

○

بجا کہ پھول کی رنگت نہ بو ہی گھاس میں ہے
پر اس کی باسنا مٹی کے وصفِ خاص میں ہے

زمیں کی تشنہ دہانی پہ نظر ہے اُس کی
ذرا سا آب جو چھوڑا ہوا گلاس میں ہے

ذرا سا بدلے یہ موسم تو گھر نکل جائے
وطن سے دور پرندوں کا غول آس میں ہے

ہنوز دکھتے ہیں کچھ زرد پتّے شاخوں پر
خزاں کے زیرِ اثر بھی شجر لباس میں ہے

یہ بھول جانے کی کوشش ہے سعیِ لا حاصل
کہ میرا خون بھی گل زار کی اساس میں ہے

خبر ہے گرم کہ اردو کے دن بھی لوٹیں گے
یقین گو کہ ابھی پردۂ قیاس میں ہے

وفاؔ ہو ظاہری یا باطنی اسیر، مگر
ہر آدمی ہی یہاں پنجۂ ہراس میں ہے

□□□

○

مرنے کے لیے اک عمر جیا
جینے کے لیے کیا کیا نہ کیا

ہاتھوں پر رقص کیا برسوں
کھوٹا سکہ بھی خوب چلا

کی بھیڑ فراہم اُس کے لیے
مجھ کو ہی اکیلا چھوڑ گیا

میں اپنی انا کی زد میں تھا
میرا دشمن آزاد رہا

ایسے بھی کہیں چلتا ہے کوئی
ہر میل کا پتھر ٹوٹ گیا

قابض کی یہی کوشش ہوگی
بن جائے قمر سورج سے بڑا

آہار کے کام آیا دکھ میں
سکھ میں سونا سنگھار بنا

□□□

○

کبھی نہ ختم ہوا سلسلہ ہی ایسا تھا
کسی کی یاد سے کچھ رابطہ ہی ایسا تھا

کیا تو چھوڑا نہیں کاروبارِ شوقِ جنوں
مرا اصول مرا قاعدہ ہی ایسا تھا

وہ میرے سامنے بیٹھا تھا گوش بر آواز
زبان کھل نہ سکی مسئلہ ہی ایسا تھا

سمجھ میں آ نہ سکا شہر تھا کہ صحرا تھا
دراصل بیچ کا منظر جلا ہی ایسا تھا

نہ ہوتا کوئی تعجب جو دل بھی مٹ جاتا
دیارِ شوق میں طوفاں اٹھا ہی ایسا تھا

اُسی کا عکس رواں تھا ہر ایک معنی پر
وہ لفظ لفظ کے اندر چھپا ہی ایسا تھا

کوئی نہ کر سکا اُس کو غلط بیاں ثابت
وہ اپنی جھوٹ کے اوپر اڑا ہی ایسا تھا

سفر کی سمتیں جداگانہ تھیں وفاؔ، لیکن
گئے سب ایک جگہ راستہ ہی ایسا تھا

□□□

○

تری تلاش میں کون و مکاں سے نکلیں گے
جنونِ شوق میں ہم لامکاں سے نکلیں گے

اگر ہو بند ہمارے لہو کا استحصال
تو فصلِ گل کیا، فضائے خزاں سے نکلیں گے

پرائے نکلیں گے اپنوں کی بھی جماعت سے
کئی محبّ بھی صفِ دشمناں سے نکلیں گے

حویلیوں کی طرف تاک کر صدائیں نہ دیں
شریف آدمی خستہ مکاں سے نکلیں گے

مزاجِ آتشیں نازک بدن بھی رکھتے ہیں
مقام آیا تو سنگِ گراں سے نکلیں گے

ہمارے قول ابھی انتظارِ وقت میں ہیں
یقین بن کے حدودِ گماں سے نکلیں گے

مہ و نجوم وفاؔ کا مقام جانتے ہیں
فلک کی سیر کو ہم خاک داں سے نکلیں گے

□□□

○

کبھی اُلٹا، کبھی سیدھا کریں گے
یوں ہی ہر کام ہم پورا کریں گے

کریں گے پھر کبھی مرہم کا دھندہ
ابھی طے زخم کا سودا کریں گے

نہ دیں گے اب تمہیں چھپنے کی زحمت
خود اپنے آپ سے پردا کریں گے

یہ بستی دشت سے کم تو نہیں ہے
یہیں کارِ جنوں پورا کریں گے

تمہارے وصل کی کیا اہمیت ہے
شبِ ہجراں یہ اندازہ کریں گے

حوادث پیش آتے ہیں اچانک
کسے معلوم تھا پیچھا کریں گے

کرے گا جو نفی خونِ وفاؔ سے
سرِ گل زار ہنگامہ کریں گے

□□□

○

اشاروں کی زباں سمجھا کرو تم
کبھی میری طرف دیکھا کرو تم

تمھارے زخموں کا مرہم ہے یہ بھی
پرایا درد و غم بانٹا کرو تم

گزر جائے گی آگے سے حقیقت
خیالوں میں نہ یوں کھویا کرو تم

اگر ہے نام کرنا اتنا آساں
تو اپنا نام بھی پیدا کرو تم

بلندی کی ہے پستی سنگِ بنیاد
خیال اس بات کا رکھا کرو تم

کسے ترجیح دینے جا رہے ہو
ذرا اوقات پہچانا کرو تم

وفاؔ کے روز و شب کٹتے ہیں کیسے
خود اپنی ذات سے پوچھا کرو تم

□□□

○

راستے بھی عجیب ہوتے ہیں
دور گاہے قریب ہوتے ہیں

کیا ہے جو دل شریکِ عشق نہیں
بے سند بھی طبیب ہوتے ہیں

کام کرتے ہیں میرے قاصد کا
کتنے شاطر رقیب ہوتے ہیں

مختلف ہوتے ہیں غریبوں سے
جتنے دل کے غریب ہوتے ہیں

اتنے باہر نظر نہیں آتے
جتنے گھر میں صلیب ہوتے ہیں

مختلف دوسرے سے کیا ہوں گے
جو وفاؔ کے حبیب ہوتے ہیں

□□□

○

کہیں گھر سے نکلتے وقت تیّاری ضروری ہے
کم از کم ذہن و دل کی رسمی بیداری ضروری ہے

کسی حالت میں بھی بے کام کی ہوتی نہیں یہ شئے
نہ مصرف میں اسے لیں تو بھی ہشیاری ضروری ہے

اگر کوئی ہنر آجائے بے اجرت کی محنت سے
تو بیکاری میں دن کھونے سے بیگاری ضروری ہے

پرکھ کر آدمی ملنے ملانے میں تردّد کیا
اکیلے پن سے بچنے کے لیے یاری ضروری ہے

ہنر مندوں کی نظریں بخش دیتی ہیں بلندی بھی
کسی بھی کام میں اظہارِ فنکاری ضروری ہے

بدل جانا شریف انسان کا شیوہ نہیں ہوتا
وفاؔ پہچان کی خاطر وضع داری ضروری ہے

□□□

○

مرے دل کا پتا محفوظ ہے
کھنڈر میں اک دِیا محفوظ ہے

اگر گم ہے تو منزل کا سراغ
سفر کا ہر پتا محفوظ ہے

غلط کہ ہو چکی ہے رائیگاں
کہیں میری صدا محفوظ ہے

تصورِ دل نظر کے درمیاں
کسی کی ہر ادا محفوظ ہے

خطاؤں کا نہیں نام و نشاں
مری اک اک سزا محفوظ ہے

ہوئی ہے دل کی پامالی، مگر
دیارِ غم میں کیا محفوظ ہے

یقیناً رخ بھی بدلے گا وفاؔ
ہوا کا سلسلہ محفوظ ہے

□□□

○

سارے ہی نا تراش اگر ہیں جہان میں
تو کیا کوئی خراب نہیں آسمان میں

سارے دریچے، روشنی، آواز، در بھی بند
شاید یہاں مکیں نہیں رہتے مکان میں

عنقا ہوئے گلاب، سمن، جوہی، موتیا
کاغذ کے پھول ہنستے ہیں اب پھولدان میں

کھُلتے ہی خوشبو پھیل گئی گھر میں ہر طرف
حالاں کہ عطر تھا بھی نہیں عطر دان میں

ممکن ہے آہی جائے ترے نام کا شکار
تیروں کو رکھ سنبھال کے اپنی کمان میں

تو ہے کہ مجھ کو چھوڑنے کےحق میں ہے وفاؔ
جب کہ ہوں ایک میں ہی تری داستان میں

□□□

○

گزر گاہِ خرابی سے میں وعدہ کر چکا تھا
اُسی کی سمت چلنے کا ارادہ کر چکا تھا

مسرت آئی تو کچھ خاص دلچسپی نہیں لی
کہ دل پہلے ہی غم سے استفادہ کر چکا تھا

کہا پھر اُس نے مجھ کو کوچۂ جاں چھوڑنے کو
بہت پہلے بھی وہ ایسا اشارہ کر چکا تھا

جہانِ پوچ کو میری ضرورت تھی وگرنہ
فرازِ آسماں پر نصب خیمہ کر چکا تھا

کسی کے منظرِ ذاتی پہ آنکھیں اٹھ نہ پائیں
کہ میں خود احتسابی کا نظارہ کر چکا تھا

یہ گلشن جانے کیوں لایا وفاؔ کو ورغلا کر
جنونِ شوق میں صحرا پہ قبضہ کر چکا تھا

□□□

○

خود پہ بھروسہ کم تھا ذاتی کوشش ہار گئی
ساتھ ہی یاروں کی بھر پور سفارش ہار گئی

جانے تھی تکمیل کی منزل دل سے کتنی دور
چلتے چلتے آخر میری خواہش ہار گئی

کھیتوں کو درکار نمی تھی لیکن کیا کیجے
سوکھی مٹی کے حلقے سے بارش ہار گئی

اُس کی سماعت کے ماتھے پہ ابھر آئیں شکنیں
فوراً میری غیرت مند سفارش ہار گئی

دل کی وسعت ناپ رہے تھے بیچارے آلام
اندازہ بھی ہو نہ سکا پیمائش ہار گئی

وار کیا بحری آفات نے مل کر کشتی پر
عزمِ وفاؔ ساحل تک پہنچا سازش ہار گئی

□□□

○

جب سے وہ آپ اپنے کو خاشاک بنائے رکھا ہے
میں نے بھی اپنے اندر شعلوں کو بجھائے رکھا ہے

اُس نے دیکھ لیا بس یوں ہی شوخ نظر سے میری طرف
دل نے اتنی بات پہ کیا طوفان اٹھائے رکھا ہے

وہ چاہے تو اپنے سارے تیروں کو گن سکتا ہے
میں نے اپنے سینے میں ہر زخم چھپائے رکھا ہے

اُس کی باتوں میں شامل ہیں خوشبو، رنگ، امنگ، ہنسی
جانے کسی عالم میں دل کا پھول کھلائے رکھا ہے

اُس سے مل کر ٹوٹ نہ جائیں زخمِ جدائی کے ٹانکے
یوں تو پہلے سے میں نے دل کو سمجھائے رکھا ہے

تیز روؤں کو لمحہ لمحہ منزل کی ہے فکر وفاؔ
سست روؤں نے راہوں کو مسدود بنائے رکھا ہے

□□□

○

نگاہیں جب کبھی اِس دور کے منظر پہ رکھتا ہوں
مجھے محسوس ہوتا ہے کہ سر خنجر پہ رکھتا ہوں

فضا کی ذمہ داری میں نے بال و پر کو دے دی ہے
اڑانوں کی سواری اب کہاں شہپر پہ رکھتا ہوں

پرانے تجربوں کی روشنی میں ہے سفر جاری
بجائے مٹیوں کے ہر قدم پتھر پہ رکھتا ہوں

کہ تھوری نیند، کچھ آرام، کوئی خواب مل جائے
تھکا ہارا بدن اس خیال سے بستر پہ رکھتا ہوں

اُسی کی دی ہوئی توفیق کا یہ معجزہ کہیے
جبیں اُس نے عطا کی ہے، اسی کے در پہ رکھتا ہوں

مری عادت بھی کچھ شاہیں کی فطرت سے متاثر ہے
جہاں جاؤں تصور میں نگاہیں گھر پہ رکھتا ہوں

وفاؔ ڈھونا بہت دشوار ہے یہ بارِ احساں بھی
نگاہ و دل پہ ذہن و جاں پہ گاہے سر پہ رکھتا ہوں

□□□

○

آب و خاک سنگ میں ہے اور کیا کیا ڈھونڈ لے
غیر کا منہ تاکنا کیا اپنا حصّہ ڈھونڈ لے

آبشاروں کی طرح بہنے سے کچھ حاصل نہیں
صورتِ سنگِ گراں اپنا ٹھکانا ڈھونڈ لے

چھوڑ کر مایوسیاں تاب و توانائی جٹا
وقت کی رفتار سے چلنے کا یارا ڈھونڈ لے

کب تلک چپ چاپ بھٹکے گا پرائے شہر میں
اُوب جائے دل نہ تنہا کوئی اپنا ڈھونڈ لے

سب ستارے تو نگاہوں میں سما سکتے نہیں
شب گزاری کو فلک پر ایک تارا ڈھونڈ لے

جتنے جینے کے سہارے ہیں وفاؔ سانسوں تلک
حشر میں جو کام آئے وہ سہارا ڈھونڈ لے

□□□

○

اگر قدرت کا عطیہ ہو تو دولت کام کی ہے
نہ ہو اس کی رضا شامل تو بس یہ نام کی ہے

مہ و خورشید کے دم سے نہ شمع کی بدولت
چمکتی روشنی ہر سو اُسی کے نام کی ہے

بہر صورت اِسی میں رہ کے کرنا ہے گزارا
جگہ تو کم نہیں لیکن کہاں آرام کی ہے

ہوئے جاتے ہیں شامل شور و شر کی بھیڑ میں ہم
کہاں اس افرا تفری میں خبر انجام کی ہے

بتاؤں کیا کہ ہے اُس مہرباں کی دین کیا کیا
مری ہر سانس بھی محتاج اُس کے نام کی ہے

رکھا ہے جز پریشانی جہانِ پوچ میں کیا
یہ غور و خوض لا یعنی خیالِ خام کی ہے

وفاؔ کو چاہیے تنہائیوں میں دید اُس کی
سرِ محفل زیارت تو نگاہِ عام کی ہے

□□□

○

جو میسّر ہو اسی پر اکتفا کرتا رہوں
گویا اپنے آپ کو بے دست و پا کرتا رہوں

گل نہیں، غنچے نہیں، پتے بھی شاخوں پر نہیں
کیا سرِ گلزار زخموں کو ہرا کرتا رہوں

چلتے چلتے ہر پڑاؤ کو بنالوں ہم سفر
راہ میں حقِ مسافت یوں ادا کرتا رہوں

بانٹ دے کچھ اتنی قسطوں میں کرم فرمائیاں
قرض تیرا آخری دم تک ادا کرتا رہوں

وہ تو مجھ کو ڈھونڈ ہی لے گا بھٹک جاؤں اگر
کھو کر اپنے آپ کو اُس کا پتہ کرتا رہوں

ہیں سفر سے منزلِ جاں تک کئی دشواریاں
کیا ضروری ہے کہ وردِ فاصلہ کرتا رہوں

میں مکرر در مکرر کا نہیں قائل وفاؔ
کیا کسی سے التجا پر التجا کرتا رہوں

□□□

○

میں اپنی چال اچانک بدل بھی سکتا ہوں
تری رسائی سے آگے نکل بھی سکتا ہوں

مرے وجود کو بے وجہ روندنے والا
نحیف ہو کہ توانا مسل بھی سکتا ہوں

مجھے قبول ترے عذر بھی ہیں، وعدے بھی
فریب دے کے پرکھ لے بہل بھی سکتا ہوں

بشکل جوالہ مکھی میں جہاں ہوں پوشیدہ
وہیں سے چشمہ کی صورت اُبل بھی سکتا ہوں

یہ انکشاف ہوا وصل کے حوالے سے
فراق ہوگا نہ آساں مچل بھی سکتا ہوں

انا کے زینوں پہ کائی جمی ہی رہتی ہے
ذرا سی چوک ہوئی تو پھسل بھی سکتا ہوں

پگھل چکا ہوں ترے لمس کی حرارت سے
کسی نفس ترے قالب میں ڈھل بھی سکتا ہوں

برعکسِ عزم وفاؔ دل میں جھانک کر بھی دیکھ
فروزاں شمع کی صورت پگھل بھی سکتا ہوں

□□□

○

یہ نہیں ممکن کہ پیہم گل شاری میں رہوں
رنگ وخوشبو کے لیے پھولوں کی کیاری میں رہوں

جو تھا ہونا ہوگیا یہ کاروبارِ زیست ہے
کب تلک دل کی طرح میں آہ زاری میں رہوں

بے رخی کے نشّہ میں سرشار کوئی ہے تو ہے
میں شبانہ روز کیفِ غم گساری میں رہوں

دوسرے اُس سے کریں عہدِ وفا کی گفتگو
ایک میں ہی نا سمجھ رقعہ نگاری میں رہوں

اس طرح تو ہجرِ جاں کا حق ادا ہوگا نہیں
نیند کا غلبہ ہو اور اختر شماری میں رہوں

وہ عبث ہر رخ سے سمجھاتا ہے مفہومِ وفاؔ
یار کوئی ہو نہ ہو محصور یاری میں رہوں

□□□

○

گھر سے نکلو گے تو اندازِ سفر آجائے گا
خود بخود گرنے سنبھلنے کا ہنر آجائے گا

مشعلہ کوئی نہ رہ جائے گا جز کارِ طواف
جب نشانِ منزلِ جاناں نظر آجائے گا

شرط اِتنی ہے موافق ہو زمانے کی ہوا
اُس کا نامہ اڑتے اڑتے میرے گھر آجائے گا

ذہن و دل کی کھڑکیاں سوئے ہنر کھولے رکھو
یہ نہ سمجھو بند مٹھی میں گہر آجائے گا

اک ذرا سی نیند آجائے شبِ ہجراں وفاؔ
پھر تو آگے اس کے خوابوں کا نگر آجائے گا

□□□

○

ہوگا وہ بھی موم صفت حرفوں کی لطافت سے
پتھر بھی پگھلتے ہیں لفظوں کی حرارت سے

کچھ ہاتھ نہ آئے گا نفرت روا رکھنے میں
کرسکتے ہو دل بس میں اظہارِ محبت سے

غیروں کی صفوں میں ہیں دشمن تو تعجب کیا
نکلیں گے کئی باغی اپنی بھی جماعت سے

جانا ہے ریگستاں تو کچھ پودے لیے جانا
محروم نہ رہ جانا پیڑوں کی رفاقت سے

کہنے کو بہت کچھ ہے، لیکن نہیں کہہ سکتا
مجبور ہوں میں اپنی خاموش طبیعت سے

ایسے بھی ہیں انساں جو اک بھول سے ڈرتے ہیں
جھک جاتے ہیں سر اُن کے احساسِ ندامت سے

□□□

○

کچھ کہہ رہا ہے تم سے زمانہ سنو میاں
تھوڑی ہی دیر کو سہی لیکن رکو میاں

تم کب سے محوِ خواب ہو کچھ ہوش گوش ہے
مضرت رساں ہے نیند کا غلبہ اٹھو میاں

کیوں شاخِ بے ثمر کی طرح ہو تنے ہوئے
خدمت میں بزرگوں کی کھڑے ہو، جھکو میاں

ہو صاحبِ تمیز، تہی دست کس لیے
کانٹوں کو بھی مثالِ گلِ ترچنو میاں

تبدیل ہو سکے جو حقیقت کی شکل میں
ایسا ہی کوئی خواب سہانا بنو میاں

تم نے جسے جوان کیا پال پوس کر
نکلا وہ مارِ آستیں اب سر دُھنو میاں

□□□

○

جگنوؤ! بن میں باس مت کرنا
بچوں کے دل اداس مت کرنا

پھول چنتی ہے اوس سبزے پر
صحن کی زرد گھاس مت کرنا

پیرہن دل کا زیب دیتا ہے
اپنے غم بے لباس مت کرنا

پھوس ہے، آگ بھی ہے تن من میں
دونوں کو پاس پاس مت کرنا

رسمی باتوں کے جام چھلکانا
خالی دل کا گلاس مت کرنا

بھائی سے ہر سوال کر لینا
غیر سے التماس مت کرنا

ورطۂ امتحاں ہے لمحاتی
غرق ہوش و حواس مت کرنا

خوب قانونِ جنگی نافذ ہے
جنگ بستی کے پاس مت کرنا

گو شریعت میں دخل ہے اس کو
تنہا لیکن قیاس مت کرنا

قصۂ دل لہو لہان سہی
زخم کو محوِ یاس مت کرنا

□□□

○

اوراق کھو گئے ہیں مری داستان کے
ٹوٹے ہیں رابطے بھی زبان و بیان کے

انکو عبث دکھانا ہے شیشہ یقین کا
نرغے میں آگئے ہیں جو وہم و گمان کے

در آئے دل میں کتنے ہی چہرے نئے نئے
سارے مکیں پرانے نہیں اس مکان کے

لینے لگے ہیں سانسیں پرائی ہواؤں میں
ہیں آدمی تو میرے ہی ہندوستان کے

ان کو بھی چین و صبر و سکوں ہے کہاں نصیب
دشمن بنے ہوئے ہیں جو امن و امان کے

آواز اِس کے حق میں اٹھاتے نہیں، مگر
خواہاں تو اہلِ ہند میں اردو زبان کے

یہ بات سچ پہ مبنی ہے اس دور میں وفاؔ
بھوکے ملیں گے چاروں طرف جھوٹی شان کے

□□□

○

گِر پڑے ہو تو سنبھلتے کیوں نہیں
از سرِ نو اُٹھ کے چلتے کیوں نہیں

جب بھی ضد کرتے ہو ذرّوں کے لیے
چاند تاروں کو مچلتے کیوں نہیں

سوکھتے جاتے ہو مثلِ آبِ جو
صورتِ چشمہ اُبلتے کیوں نہیں

منزلِ مقصود جب ملتی نہیں
راستہ اپنا بدلتے کیوں نہیں

آپ اپنے کو کیے رہتے ہو گُل
شمع کی مانند جلتے کیوں نہیں

ہر گھڑی گھر میں ہی رہتے ہو وفاؔ
کوئی دم باہر نکلتے کیوں نہیں

□□□

○

یہی فرشِ خاکی بچھونا بھی ہے
یہی اوڑھ کر مجھ کو سونا بھی ہے

کھلونے بھی خود ہی بناتا ہوں میں
وجود اپنا خود اک کھلونا بھی ہے

بھنور سے ابھرنا تو ضد ہے میری
وگرنہ یہ کشتی ڈبونا بھی ہے

اُسے جانے یہ علم ہے کہ نہیں
مجھے اُس کو پانا ہے، کھونا بھی ہے

مسلسل اڑانا ہے صحرا کی خاک
کہ بارِ جنوں مجھ کو ڈھونا بھی ہے

نظر سے نظر مل چکی ہے وفاؔ
ابھی دل میں دل کو سمونا بھی ہے

□□□

○

نرمی سے عاشقی کا نشّہ نہیں اُترتا
پھولوں کی ٹہنیوں سے بھونرا نہیں اترتا

کیا وقت کو صدائیں دینے کی سوچتے ہو
ماضی کی سیڑھیوں سے لمحہ نہیں اترتا

موسم شباب کا ہے سنجیدگی نہ ڈھونڈو
برسات کے دنوں میں دریا نہیں اترتا

کس بات پر ہوا ہے اُس کو ملال اتنا
روٹھا ہوا ہے یوں کہ غصہ نہیں اترتا

اک وہ ہے غیریت سے آگے قدم نہ رکھا
اک میں ہوں کہ نظر سے چہرا نہیں اترتا

منظور ہے عقیدت تو مال و زر اچھا لو
زیارت سے حسن کا اب صدقہ نہیں اترتا

کچھ دھوپ بھی خوشی کی آتی نہیں وفاؔ تک
کچھ اوجِ دل سے غم کا سایہ نہیں اترتا

□□□

○

انسان آگہی کا طلب گار کب نہ تھا
ماضی سے حال برسرِ پیکار کب نہ تھا

سب کو یہاں خریدنا ہے، بیچنا بھی ہے
یہ دہر لین دین کا بازار کب نہ تھا

محصور آج بھی ہے مصائب میں زندگی
جینا سکون و چین سے دشوار کب نہ تھا

اندازِ رہ روی تھا اگر ایک مسئلہ
رستے کا انتخاب بھی دشوار کب نہ تھا

میں دوریاں سمیٹ نہ پایا بجا، مگر
تیرا فراق روح کو آزار کب نہ تھا

ہڑتال اور جلسہ جلوسوں کا سلسلہ
کلکتہ ہاؤ ہو میں گرفتار کب نہ تھا

تم خود ہی مصلحت کے تئیں ٹالتے رہے
جانے کو دار پر وفاؔ تیار کب نہ تھا

□□□

○

وہ حجاب اُس شوخ میں شامل رہے اچھا تو ہے
بے جھجھک نظارگی مشکل رہے اچھا تو ہے

تیسرے کا کام کیا جب فیصلہ مقصود ہے
میں رہوں، خنجر بکف قاتل رہے اچھا تو ہے

سب دکھائی دے رہے ہیں گردشِ دوراں میں گم
محوِ ذکرِ یار میرا دل رہے اچھا تو ہے

کچھ بگولے دشت سے لائی ہے دیوانی ہوا
شہر کو بھی فوقیت حاصل رہے اچھا تو ہے

بارِ خاطر ہی سہی لیکن حضورِ یار میں
ایک عرضی میری بھی داخل رہے اچھا تو ہے

وہ رہے اور باہمی سرگوشیاں بھی ہو سکیں
کچھ اندھیرا یوں سرِ محفل رہےاچھا تو ہے

ایک معمولی سا کھٹکا ہر گھڑی دل کو رہے
اُس میں کچھ خوئے جفا شامل رہے اچھا تو ہے

مان جانا اُس کا ہے بے وقت کی شہنا وفاؔ
روٹھنا بھی اُس کا لا حاصل رہے اچھا تو ہے

□□□

○

روز و شب کے مسئلوں سے تھوڑی فرصت چاہیے
زندگی کرنے کی خاطر کچھ سہولت چاہیے

منچلوں کو منزلِ مقصود کی پروا کہاں
ان کو رہ کے پیچ و خم تک ہی مسافت چاہیے

میرے دل کے شہر پر اُس نے نظر ڈالی نہیں
ہے عبث ارمان کے تخت و حکومت چاہیے

ماند پڑ جائیں نہ حسنِ حرف کی تابانیاں
داستانوں میں بھی کچھ رنگِ حقیقت چاہیے

بھول پر اپنی وہ نادم ہے زبانی طور سے
جب کہ چہرے سے بھی اظہارِ ندامت چاہیے

برسوں اپنے آپ سے مل کر یہ اندازہ ہوا
خود کو بھی پہچاننے کو ایک مدت چاہیے

چاہیے تو یوں بہت کچھ ابنِ آدم کو وفاؔ
فی زمانہ سب سے پہلے آدمیت چاہیے

□□□

○

جانے پہچانے انجانے بن جاتے ہیں
اکثر اپنے بھی بے گانے بن جاتے ہیں

احساسِ ذمہ داری کی شدت سے بھی
ذہن و دل میں کتنے خانے بن جاتے ہیں

خاک ملے تو بھی لے لینا درویشوں سے
پتھر کے ٹکڑے دُوردانے بن جاتے ہیں

چار آنکھیں عنوان مہیا کر دیتی ہیں
دو دل کے آہنگ فسانے بن جاتے ہیں

ہشیاروں کی صحبت جب حاصل ہوتی ہے
سیدھے سادے لوگ سیانے بن جاتے ہیں

منصوبے کی چلتی ہے جب کالی آندھی
منٹوں میں گلشن ویرانے بن جاتے ہیں

خواب وفاؔ کی آنکھوں سے اب روٹھ چکے ہیں
بیتے دن ہی خواب سہانے بن جاتے ہیں

□□□

○

اچھی نہیں لگتی ہے بے کار کی خاموشی
انکار نہ بن جائے اقرار کی خاموشی

ہوتا ہے رفاقت میں کچھ ایسا کرشمہ بھی
شیشے کی زباں ٹھہری زنگار کی خاموشی

عادت ہے کہ فطرت ہے معلوم نہیں، لیکن
بے جرم سزا دیتی ہے یار کی خاموشی

وہ زہر اگلنے میں یکتائے زمانہ ہے
کچھ معنی تو رکھتی ہے اغیار کی خاموشی

آج اپنے مسیحا سے بھی بات نہ کی اُس نے
تشکیک کا باعث ہے بیمار کی خاموشی

وہ قول و قسم کیا ہیں تم جس کو نبھاتے ہو
کردے نہ کہیں رسوا ہر بار کی خاموشی

سو ضرب کی آوازیں دب جائیں گی ایک پل میں
ٹوٹے گی کسی دن جب لوہار کی خاموشی

زردار سمجھنے سے قاصر ہیں وفاؔ، لیکن
خطرے کی علامت ہے نادار کی خاموشی

□□□

○

کڑی دھوپ ہے پر اجالا تو ہے
اندھیرے کا منہ اس سے کالا تو ہے

مٹا میرے قاتل کا نام و نشاں
مرے قتل کا بول بالا تو ہے

نہ مسجد نہ مندر نہ گرجا سہی
سرِ رہ گذر دھرم شالا تو ہے

زمیں بوس ہوکر بھی گھرنے مرے
نیا ایک رستہ نکالا تو ہے

مجھی سے یہ رہنے لگا بد گماں
کہ بچپن سے اس دل کو پالا تو ہے

امیری بھی چاہے تو تکیہ کرے
غریبی کو میں نے سنبھالا تو ہے

وفاؔ تیرے سینے میں دل کی جگہ
لہو سے بھرا ایک پیالہ تو ہے

□□□

○

ایک لفظ اک کتاب بن گیا
ذہن میں یہ کیا حساب بن گیا

لے لی اُس نے یوں مری تمام شب
نیند آگئی تو خواب بن گیا

اس سلیقے سے ہوا وہ رو برو
شوقِ دید ہی حجاب بن گیا

اشک آشنائے بحرِ درد تھے
ایک قطرہ سیلِ آب بن گیا

غیر محرمِ ادب تھے سامنے
چہرۂ ادب نقاب بن گیا

زود اثر علاج زخم زخم کا
دہن پاک کا لعاب بن گیا

اُس پہ اب نظر نہ ٹھہرے گی وفاؔ
ماہتاب آفتاب بن گیا

□□□

○

اب کوئی حاتم نہیں کوہِ ندا پر جائے کون
دوسروں کے واسطے در در کی ٹھوکر کھائے کون

وقت کی آواز سنتا ہی نہیں وہ نا مراد
وقت ہی سمجھائے گا اک دن اُسے سمجھائے کون

مجلسِ شوریٰ میں اب کے کوئی دیوانا نہیں
مسئلہ الجھا ہوا ہے عقل کا سلجھائے کون

مدتوں سے آدمی بے رہ روی کا ہے شکار
کاروانِ آدمیت راستے پر لائے کون

آج بھی ہیں تاک میں دشمن اہنسا کے، مگر
سنت گاندھی کی طرح سینے پہ گولی کھائے کون

دور سے سب دیکھتے ہیں خانہ ویرانی مری
در کھلا رہتا ہے لیکن گھر کے اندر آئے کون

اپنے مطلب کی کہانی سب سناتے ہیں وفاؔ
سب کے دل کو بھائے جو وہ بات لب پر لائے کون

□□□

○

میں رفتہ رفتہ کہاں سے کہاں کا ہو بیٹھا
مکیں محل میں تھا خستہ مکاں کا ہو بیٹھا

لکھا تھا میرے مقدر میں دشتِ تنہائی
جہاں کوئی نہیں اپنا وہاں کا ہو بیٹھا

معاً بھڑک اٹھی نفرت کی آگ ہر جانب
مجھے مفر نہ ملی تو دھواں کا ہو بیٹھا

بدلتے وقت نے یکسر بدل دیا مجھ کو
سپر کا حامی تھا لیکن سناں کا ہو بیٹھا

رہِ جنوں میں حدوں کو عبور کرتا گیا
کہاں کی خاک تھا میں اور کہاں کا ہو بیٹھا

سنا جو میں نے ہوں مٹی کا جزوِ لاینفک
فلک کے در سے اٹھا خاک داں کا ہو بیٹھا

مجھے بھی جینا تھا اُمید پر وفاؔ، لیکن
یقیں کو ٹھیس لگی تو گماں کا ہو بیٹھا

□□□

○

ریت جنگل کی دھیان میں رکھنا
تیر ہر دم کمان میں رکھنا

باندھ دیتی ہیں پر ہوائیں بھی
کچھ توازن اڑان میں رکھنا

شاخ پر تو سجا نہیں سکتے
پھول کو پھولدان میں رکھنا

چھانو مضرت رساں بھی ہوتی ہے
دھوپ بھی سائبان میں رکھنا

فرق ہے دیکھنے میں سننے میں
فاصلہ آنکھ کان میں رکھنا

دشمنِ جاں اگر نہتّا ہو
اپنی شمشیر میان میں رکھنا

پیار اپنا وفاؔ جہاں رکھیو
دل کو ہندوستان میں رکھنا

□□□

○

عمر کا دریا رواں کب تک رہے گا
سیلِ غم کا یہ سماں کب تک رہے گا

مجھ کو رہ رہ کر گھٹن ہونے لگی ہے
سر پہ بارِ آسماں کب تک رہے گا

جیسا ہو، بستی کا منظر دیکھنا ہے
میری آنکھوں میں دھواں کب تک رہے گا

فیصلہ سننا سنانا ہی تو ہے اب
کشمکش کا یہ سماں کب تک رہے گا

ہر کسوٹی پر تو پرکھا جا چکا ہے
میرا جوہر بے نشاں کب تک رہے گا

سلسلہ یہ غیر کی دلچسپیوں کا
میرے اُس کے درمیاں کب تک رہے گا

کب تلک خوابِ وفاؔ سہے رہیں گے
آنکھوں میں خوفِ گراں کب تک رہے گا

□□□

○

جو فرمان ہے اہلِ فکر و نظر کا
وہ ہے عام اعلان علم و ہنر کا

نہ اتروں گا میں اپنی منزل سے پہلے
نکل جائے دم بھی اگر بال و پر کا

مجھے کارواں کی ضرورت نہیں تھی
چلن دیکھنا تھا مجھے راہ بر کا

نہ پوچھ آنے جانے کی گنتی مجھی سے
ہے رستہ بھی شاہد ترے بام و در کا

خبر دے بھلا کون اُس بے خبر کو
رفو گر تو ہے میرے زخم جگر کا

مدد کو پکاروں کسی اور کو کیا
سہارا میسر ہے خیر البشرؐ کا

□□□

○

گھر کا نقشہ بنایا کھنڈر بن گیا
کیا سے کیا میرا دستِ ہنر بن گیا

میں بنانے چلا خستہ دیوار کو
ہاتھ مٹّی پہ رکھتے ہی در بن گیا

شرم سے جھک گئی آب جو کی نظر
بے کراں بحر جب رہ گذر بن گیا

دل میں پہلی نظر نے ہی گھر کرلیا
نرم مٹّی تھی پودا شجر بن گیا

دو محلوں میں دو گام کا فرق تھا
مختصر راستہ پر خطر بن گیا

یوں ہی سینے میں تھا اک خلا سا وفاؔ
غم سمٹ کر دلِ معتبر بن گیا

□□□

○

ہوئی نہ میری ملاقات اُن فقیروں سے
ضرور ملتے ہیں جو بھٹکے راہ گیروں سے

کراہ بھی نہ ملی مجھ کو درد کے در سے
یہ زخمی دل بھی مرا کم نہیں امیروں سے

نہ رہ روی نہ مرے راستے جدا ہیں، مگر
کوئی علاقہ نہیں چھاؤں کے اسیروں سے

لہو لہان ہوا دل سلوکِ یاراں سے
اگرچہ زخمی ہوا دشمنوں کے تیروں سے

ہوا چلی ہے قدوں کو بلند کرنے کی
مقابلہ نہ کرے بحر بھی جزیروں سے

ملمع سازی نہ راس آئی سنگ ریزوں کو
نکل گئے بہت آگے چمک میں ہیروں سے

جواب کی بڑی امید تھی وفاؔ اُس کو
سوال کرتا رہا ہاتھ کی لکیروں سے

□□□

○

مجھے شعر گوئی کی عادت تو ہے
وہ پیشِ نظر ہے سہولت تو ہے

جو وہ چاہتا ہے وہ کرتا ہوں میں
مرے دل پہ اُس کی حکومت تو ہے

درِ خواب وا کرتی ہے یادِ جاں
مری شب پہ نظرِ عنایت تو ہے

غمِ عشق کی گفتگو چھوڑیے
غمِ دہر کی ایک مدت تو ہے

کہیں نام اُس کا، کہیں میرا نام
فسانے میں تھوڑی حقیقت تو ہے

نہیں کہ سبھی ہیں مرے معترف
وفاؔ سے کسی کو شکایت تو ہے

□□□

○

مزاجِ رہ گذر سے آشنا ہوں
کدھر جانا ہے مجھ کو، جانتا ہوں

عمارت سے کھنڈر تک آچکا ہوں
یہاں سے اب سفر نا آشنا ہوں

مجھی کو تُو جو اکثر لوٹتا ہے
تو کیا اک میں ہی لٹنا چاہتا ہوں

خلافِ ذہن گاہے دل سے برہم
خود اپنے درمیاں اک معرکہ ہوں

نہیں کچھ یاد ابھرا کس طرح میں
کسی صورت کنارے آلگا ہوں

نہ باہر کوئی اپنا ہے نہ اندر
وہ در ہوں کہ مقفل ہوں نہ وا ہوں

اکیلا چھوڑ کر مجھ کو نہ جانا
تری منزل کا میں ہی راستہ ہوں

مری مشاقیٔ وحشت نہ پوچھو
بیاباں کی طرف ہی بھاگتا ہوں

وفاؔ جو باغِ جنت میں ہوا تھا
اُسی اک واقعہ کا سلسلہ ہوں

□□□

○

زمین تشنہ تھی میں نے پلا دیے آنسو
کہیں نہ تھے گل و سبزہ اُگا دیے آنسو

تلاشِ گل میں مبادا کہ دیر ہو جائے
کسی کی راہ میں اکثر بچھا دیے آنسو

ملا نہ دامنِ دیدار دیدۂ تر کو
نقوشِ پا نظر آئے لٹا دیے آنسو

اجالے پھیل گئے ہر سو اُس کی راہوں میں
کچھ اس طرح سرِ مژگاں سجا دیے آنسو

اجڑ گئی تھی گھنی بستی ایک ہی شب میں
تمام گھر ہی تھے خالی بسا دیے آنسو

وفاؔ اب ان کے سوا ساعتِ دگر کیا تھی
کبھی خوشی کبھی غم میں بہا دیے آنسو

□□□

○

کام آئے گا نہ انعام نہ تمغہ بھائی
کس سبب کرتے ہو ایمان کا سودا بھائی

نیکیاں تم کو مسافر کو ملے گی راحت
کارگر ہوگا کسی روز یہ پودا بھائی

آبِ زم زم سہی کیوں ساتھ لیے پھرتے ہو
آج کل آدمی ہے خون کا پیاسا بھائی

اُس کی باتوں سے تو بارود کی بو آئے گی
وہ سراپا ہے ابھی ایک دھماکا بھائی

تم جسے ڈھونڈ رہے ہو وہ یہیں پر ہوگا
کیسے پہچانو گے چہرے پہ ہے چہرہ بھائی

تجربہ نے اُسے مجبور کیا پینے پر
ورنہ پیتا ہے کوئی پھونک کے منّھا بھائی

تیرگی کا کوئی رشتہ نہیں نومیدی سے
رات کی گود میں پلتا ہے سویرا بھائی

چند لمحوں میں بدل جائے گا منظر سارا
تاڑ کی چھانو میں آرام نہ کرنا بھائی

□□□

○

شوق کا در باز ہوگا
منکشف ہر راز ہوگا

بزمِ شوقِ دل سجی ہے
درد سے آغاز ہوگا

اُس میں کچھ خوبی تو ہوگی
خود پہ جس کو ناز ہوگا

بال و پر والا پرندہ
مائلِ پرواز ہوگا

وہ نہیں غم سے پریشاں
دل مگر ناساز ہوگا

چپ ہو جب تارِ نفس ہی
بے صدا ہر ساز ہوگا

ہے وفاؔ بھی آج شاعر
حسن کا اعجاز ہوگا

□□□

○

پوچھتا ہے کب کسی کو آئینہ
رو برو اپنے ہی رکھو آئینہ

آج کل چلتے ہیں پتھر آنکھ سے
شہر میں لے کر نہ نکلو آئینہ

زینتِ خانہ بھی ہے اس کا وجود
صرف محلوں میں ہی کیوں ہو آئینہ

ہو نہ جائے بے خیالی کا شکار
ہر جگہ ہرگز نہ رکھو آئینہ

اور بھی کچھ ہے پرکھنے کے لیے
صرف رہ رہ کر نہ پرکھو آئینہ

جانے کرتا ہے کسے ہر دم تلاش
تاکتا رہتا ہے سب کو آئینہ

وہ تو کب کا ہو چکا رخصت وفاؔ
ڈھونڈتا ہے مجھ میں جس کو آئینہ

□□□

○

یہ زمیں مہربان کب نہ رہی
ایک ماں کے سمان کب نہ رہی

غم کو ملتی رہی توانائی
میری صحبت میں جان کب نہ رہی

سر کے اوپر تنی رہی اکثر
دھوپ بھی سائبان کب نہ رہی

زندگی کا شکار کرنے کو
موت تیر و کمان کب نہ رہی

اس کے سائے میں سب کو راہ ملی
فکر جائے امان کب نہ رہی

داد دے میری سر پرستی کو
یاد تیری جوان کب نہ رہی

جس کو دنیا نے کرلیا ازبر
وہ مری داستان کب نہ رہی

ساری باتیں ہوئی نگاہوں سے
خامشی درمیان کب نہ رہی

اک کسک سی وفاؔ مرے دل میں
مستقل میہمان کب نہ رہی

□□□

○

انجامِ تمنا دیکھ لیا
دل خون میں ڈوبا دیکھ لیا

پل بھر میں عدو بھی رام ہوا
لفظوں کا کرشمہ دیکھ لیا

قطرہ بھی نہ برسا پانی کا
بادل کا گرجنا دیکھ لیا

جو میری گلی پر ہنستا تھا
اس کا بھی محلّہ دیکھ لیا

عجلت میں نظر آیا جو کچھ
تھوڑا ہو کہ زیادہ دیکھ لیا

قطرہ بھی نہ گزرا نظروں سے
ہے شور کہ دریا دیکھ لیا

شہروں میں کہیں سایہ نہ ملا
دیواروں کا میلہ دیکھ لیا

موجود تو کچھ دیکھا ہی نہیں
غائب کا ہی نقشہ دیکھ لیا

جز وہم وفاؔ کچھ اور نہیں
میں نے پسِ پردہ دیکھ لیا

❐❐❐

○

خیالوں میں اک رقبہ رکھتا ہوں
جس میں بستی صحرا رکھتا ہوں

مقتل کی دیواریں اونچی کر
میں اپنا سر اونچا رکھتا ہوں

میری خلوت میں وہ وسعت ہے
جس میں ساری دنیا رکھتا ہوں

باتوں میں الجھا ہوں بہتر ہے
چپ میں شور شرابا رکھتا ہوں

پیاس کہاں ہے میرے ہونٹوں پر
اس جا تو میں دریا رکھتا ہوں

تاکہ یاری میں ہو آسانی
دشمن سے بھی رشتہ رکھتا ہوں

غصّہ، نفرت، پیار، خلوص وفاؔ
سب کچھ تھوڑا تھوڑا رکھتا ہوں

❐❐❐

○

دل اگر خوشیوں سے عاری ہے تو ہے
لمحہ لمحہ مجھ پہ بھاری ہے تو ہے

عاریت کی مے تو پی سکتا نہیں
شوق پر سکرات طاری ہے تو ہے

کیا ضروری ہے کہ جاگوں رات بھر
موسمِ اختر شماری ہے تو ہے

روبرو کچھ بات تو ہوتی نہیں
گفتگو خوابوں میں جاری ہے تو ہے

لوگ کیوں ہیں اس نظر کے بر خلاف
میرے دل پر چاند ماری ہے تو ہے

کس کے بس میں ہے بھلا شک کا علاج
یوں ہی دل میں بے قراری ہے تو ہے

میں نبھاتا جاؤں گا رسمِ وفاؔ
مجھ پہ ہی یہ ذمہ داری ہے تو ہے

□□□

○

انتظارِ بہار کیا کرنا
ایک ہی رُت سے پیار کیا کرنا

بے ضرورت کرید کر زنگار
آئینہ داغدار کیا کرنا

بارشیں ہو رہی ہیں تیروں کی
زخمِ دل کا شمار کیا کرنا

حکم جب بارہا نہیں جچتا
التجا بار بار کیا کرنا

چڑھتے دریا کو کوسنے دے لو
ٹھہرے پانی کو خوار کیا کرنا

کچھ خوشی بھی وفاؔ عیاں ہوتی
غم ہی غم آشکار کیا کرنا

□□□

○

منظر کیا پس منظر دیکھ
سچ پردے کے اندر دیکھ

ایک نظر میں دل غائب
آنکھ کا جادو منتر دیکھ

خوابوں میں ہے کتنا دم
اپنی نیند اُڑا کر دیکھ

کیا ہے آنکھوں کی تحریر
ممکن ہو تو پڑھ کر دیکھ

جان نہ اُن کو ہی قاتل
جن ہاتھوں میں خنجر دیکھ

وہ غصّے میں ہے، لیکن
تو بھی اپنے تیور دیکھ

چھوڑ مسائل غیروں کے
جا پہلے اپنا گھر دیکھ

لوٹ وفاؔ دھرتی کی اور
ٹوٹ رہا ہے شہپر دیکھ

□□□

○

نہیں شوقِ منزل سفر ہی سفر دے
مری رہ روی کو رہِ معتبر دے

مرے دل میں اب تو ہی تو جلوہ گر ہے
مرے ساتھ تو بھی یہ اعلان کردے

جنوں اوب جائے نہ یکسانیت سے
بیاباں سے آگے بھی اذنِ سفر دے

زر و مال مانا کہ تیری عطا ہے
یہ نعمت بھی لیکن مجھے مختصر دے

بہ ظاہر تو سب یار ہیں میرے مولا!
بہ باطن جو میرے نہیں ہیں، خبر دے

سمجھنا بھی ہے، دیکھنا ہی نہیں ہے
نئے ہیں مناظر، پرانی نظر دے

کہیں اور کر خنجروں کی نمائش
ادھر لا مرا آزمودہ سپر دے

لٹیرے مگن ہیں مری بے گھری پر
اسی شہر میں پھر مجھے کوئی گھر دے

□□□

○

جو رات تیری عنایت سے میں نے پائی تھی
وہ میرے شوق کی سب سے بڑی کمائی تھی

مری مراد بر آئی تھی تیرے دم سے ہی
جو بات میری تھی تیری زباں پر آئی تھی

اُسی پہ چلتا رہا بے نیازِ سود و زیاں
جو راہ تیری طلب نے مجھے دکھائی تھی

ہجومِ اعدا میں رکھتا تھا تابِ گویائی
خموش رہنے میں لیکن مری بھلائی تھی

اُسی کے کہنے پہ میں نے قسم کو توڑا بھی
اُسی کے کہنے پہ میں نے قسم بھی کھائی تھی

یہ بات بھی میں کسی روز بھول جاؤں گا
کہ میرے دل کو خوشی سے بھی آشنائی تھی

تبادلہ ہوا جب دو دلوں کا آپس میں
وفاؔ کی ہوگئی وہ شے کہ جو پرائی تھی

□□□

○

سوال کرکے اُسے کامیاب ہونا تھا
کسی سبب سے مجھے لا جواب ہونا تھا

تلاشِ یار میں حد سے گزر گیا میں ہی
دیارِ شوق میں خانہ خراب ہونا تھا

قریبِ بحر تھا مثلِ سراب میرا وجود
حضور تشنہ وہاں آب آب ہونا تھا

وہیں سے راہ نکل آئی پھر وضاحت کی
جہاں سے ختم سوال و جواب ہونا تھا

بلند ہوگیا بس نام سے وفاؔ اپنے
حقیر ذرّے کو عزت مآب ہونا تھا

□□□

○

دلِ گستاخ پر قبضہ نہیں ہے
یہ میرے جسم کا حصّہ نہیں ہے

یہ کہہ کر ہوگئے رخصت مرے خواب
کھلا نیندوں کا دروازہ نہیں ہے

وہی قطرہ بنا ہے درِ نایاب
جو میری آنکھ سے ٹپکا نہیں ہے

ہوا ویرانہ ضم آبادیوں میں
جنوں کرنے کو بھی صحرا نہیں ہے

فلک نازاں ہے تاروں پر کہ اُس کو
مرے زخموں کا اندازہ نہیں ہے

سفر نامہ مکمل ہو چکا ہے
ابھی پہلا قدم اٹّھا نہیں ہے

پرانے ہیں، تجربہ کار بھی ہیں
مرے زخموں سے خوں رستا نہیں ہے

اٹھا سکتے ہو لطفِ ہم کلامی
وفاؔ تصویر یا سایا نہیں ہے

□□□

○

اُس سے ملنے کی صورت نکل آئے گی
مجھ سے اُس کی ضروت نکل آئے گی

دیکھنے کی تمنا میں آذر بنوں
سنگ سے کوئی مورت نکل آئے گی

وہ اگر اپنے کوچے سے نکلا نہیں
بالیقیں میری وحشت نکل آئے گی

آؤ مل کر ہمیں جنتری دیکھ لیں
ساتھ رہنے کی ساعت نکل آئے گی

میری مشغولیت سے نہ مایوس ہو
ایک دو دن میں فرصت نکل آئے گی

کوئی پیدائشی غیر ہوتا نہیں
تو جو چاہے تو قربت نکل آئے گی

توبہ کرلوں اگر میں انا سے وفاؔ
لازمی ہے کہ راحت نکل آئے گی

□□□

○

اپنے آپ کو تنہا کر
یہ عالم بھی پیدا کر

لوگ گنیں گے تجھ کو بھی
اپنے سر کو اونچا کر

درد محبّت پونجی ہے
اس میں اور اضافہ کر

تیرے حصّے کا ہے بوجھ
فرض سمجھ کو ڈھویا کر

تیرا ہونا کافی ہے
باہر آ یا پردہ کر

دن بھر کے اعمال اپنے
تنہائی میں سوچا کر

نفع و ضرر کے پیش نظر
چاہت کا مت سودا کر

گھر کے اندر سیلن ہے
بند دریچے کھولا کر

دنیا کے اس ریلے میں
لوگوں کو پہچانا کر

دشت و جبل سے یاری ہے
راہِ وفاؔ مت روکا کر

□□□

○

جو بھی ہے سب اس کا ہے
میرے پاس مرا کیا ہے

محفلِ ہر دل میں جاری
خوش فہمی کا چرچا ہے

یادوں کا تانا بانا
تنہائی پر پردہ ہے

پہلا دن ہے دیکھوں گا
اُس کا وعدہ کیسا ہے

نیند، سکوں، آرام نہیں
منزل ہے کہ رستہ ہے

شور شرابا ہر لمحہ
ذہن وفاؔ چو رستہ ہے

□□□

میں در و دیوار سے انجان ہوں
رہ گذر کا مستقل مہمان ہوں

مجھ میں ہی پوشیدہ ہے میری فنا
آپ اپنی موت کا سامان ہوں

جس قدر چاہے در آئے روشنی
تیرگی کے گھر میں روشن دان ہوں

اب کہاں وہ ربطِ باہم تیرے بعد
اپنے ہی گھر صورتِ مہمان ہوں

دے نہ اوروں کو کھلونا جان کر
گو تری تفریح کا سامان ہوں

کچھ نہ کچھ مجھ کو تو ہونا چاہیے
آج کے ڈھب سے اگر انجان ہوں

ختم ہوتی جا رہی ہے جو وفاؔ
میں اُسی تہذیب کی پہچان ہوں

□□□

اور بھی ہیں راہ رو رستہ نہ لے جائیں جناب
دور کر لیجے تھکن سایہ نہ لے جائیں جناب

خواب جس کا ہے اُسی کے نام رہنے دیجئے
غیر کی آنکھوں کا سرمایہ نہ لے جائیں جناب

ساتھ ہی صورت کے سیرت کا بھرم کھل جائے گا
آئینے کو توڑ کر چہرہ نہ لے جائیں جناب

اک تبسّم ہی تو ہے معصوم کی کُل زندگی
وقت سے پہلے کوئی غنچہ نہ لے جائیں جناب

درد کی تخلیق میں تفریح کا پہلو نہیں
گنگنانے کے لئے نوحہ نہ لے جائیں جناب

فاصلوں کے دم سے قائم ہے سفر کا اہتمام
دو قدم کے واسطے خیمہ نہ لے جائیں جناب

کوئی بٹوارہ سر و تن میں نہیں ہوتا کبھی
جسم و جاں سے مانگ کر حصّہ نہ لے جائیں جناب

ختم ہو جائے گا سوندھی مٹیوں کا تذکرہ
گاؤں میں شہروں کا منصوبہ نہ لے جائیں جناب

□□□

○

ہر لحظہ شب و روز میں ڈھلتے ہوئے لمحے
ماضی کی امانت ہیں پگھلتے ہوئے لمحے

ہم اُن کی رفاقت کی نگاہوں سے بچا کر
چپکے سے چرا لائے مچلتے ہوئے لمحے

چھو لیں گے تصور کی بلندی کو کسی دن
احساس کے زینوں سے پھسلتے ہوئے لمحے

اک سانحہ بن ہی گیا احساسِ مسلسل
صدیوں کو جلا ہی گئے جلتے ہوئے لمحے

ماضی کی کوئی یاد بنا دیں گے ہمیں بھی
سانسوں کی حرارت سے پگھلتے ہوئے لمحے

دیکھے ہیں بہت ہم نے زمانے کی تغیر
چہرے پہ ہیں تحریر بدلتے ہوئے لمحے

کر ہی گئے اک عہد کی تکمیل وفاؔ ہم
ڈستے ہی رہے زہر اگلتے ہوئے لمحے

□□□

احتیاطاً وہ اپنے بس میں ہے
سب سمجھتے ہیں کہ قفس میں ہے

کیسے راس آئے گا برس کوئی
چھ دسمبر تو ہر برس میں ہے

زندگی بے زباں نہیں ہوتی
ایک پیغام ہر نفس میں ہے

ہم سفر درمیاں سے بن جانا
ابتدائے سفر اُمس میں ہے

اُس کو جگنو سمجھ رہے ہیں وفاؔ
اک شرارہ جو خار و خس میں ہے

□□□

پھوٹتے چھالے ہیں، میں ہوں اور پتھریلی زمیں
شکر ہے کہ پس روؤں کو ملتی ہے گیلی زمیں

آگ، خوں جلتے مکانوں، اجنبی چہروں کے بیچ
ڈھونڈتی ہے اپنے باشندوں کو برفیلی زمیں

بس یوں ہی شہروں کے سڑکوں کے بدل جاتے ہیں نام
دیکھتی آئی ہے صدیوں سے یہ تبدیلی زمیں

دھوپ میں جلتے بدن بہتے پسینوں کے طفیل
سبز سے دھان ہوئی دھانی سے پھر پیلی زمیں

جس طرف جاؤ، جدھر دیکھو جہاں ٹھہرو وفاؔ
آسماں دشمن، مخالف لوگ، زہریلی زمیں

□□□

○

یہ بھی سچ ہے کہ پوری شب جاگے
یہ بھی سچ ہے کہ بے سبب جاگے

سو گئیں تھک کے راحتیں ساری
ساتھ میرے نہ کوئی اب جاگے

اہلِ تدبیر اب کے چوک گئے
سوگئے جب نصیب تب جاگے

راز ہے پھر بھی رازِ بیداری
باری باری اگرچہ سب جاگے

خیر مقدم کیا تھا ہم نے ہی
تم زمانے کے ساتھ جب جگے

شب کی نیندیں ہماری بیداری
سوگئے ہم تو سب کے سب جاگے

□□□